کتاب کا کفن
کرشن چندر

www.taemeernews.com

افسانے

جو ایشیا کے عظیم فنکار

کرشن چندر (ایم۔اے)

نے لکھے

www.taemeernews.com

پبلشر

بیسویں صدی بکڈپو

دریا گنج ۔ نئی دہلی

قیمت : سات روپے

پہلی بار	———	جنوری 1956ء
دوسری بار	———	مئی 1957ء
تیسری بار	———	ستمبر 1961ء
چوتھی بار	———	مئی 1977ء

www.taemeernews.com

فہرست مضامین

www.taemeernews.com

عرضِ حال

میری کہانیوں کا یہ نیا مجموعہ برادرم خوشتر گرامی ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی کی مساعی جمیلہ کا مرہونِ منت ہے جنہوں نے اِس کے مسودے کو مختلف جگہوں سے اکٹھا کیا۔ اِسے زیورِ حسن، طباعت و کتابت سے نوازا، اور انہیں بہتر سے بہتر صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا۔

موجودہ زمانے میں جبکہ اُردو دشمنی چند مخصوص حاکم حلقوں کا لائحہ کار بن چکی ہے جبکہ اسے نہ صرف عدالتوں، سکولوں کالجوں بلکہ بازاروں اور لائبریریوں سے بھی خارج کیا جا رہا ہے جبکہ اچھے اچھے اُردو ناشر اس بے رحم اُردو دشمنی کا شکار ہو کر دم توڑ رہے ہیں۔ اِس زمانے میں برادرم خوشتر گرامی کا اُردو کتابوں کی اشاعت کے لئے کمر کس کے میدان میں آ جانا یقیناً ایک جرأت آزما اقدام ہے جس کے لئے وہ

www.taemeernews.com

بجا طور پر ہماری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

خوشتر گرامی صاحب نے فیصلہ کیا ہے، کہ وہ ہر ماہ اردو ادب کی ایک نئی کتاب اپنے ادارے سے شائع کیا کریں گے۔ اس کے لئے انہوں نے علیحدہ ایک بک یونٹ بھی قائم کر لیا ہے جسے ادارۂ بیسویں صدی کی تمام مالی وانتظامی پُشت پناہی حاصل ہو گی۔ اس سلسلے میں انہوں نے ملک کے دوسرے مشہور و معروف ادیبوں سے بھی سلسلہ جنبانی کی ہے اور ان سے مسودے بھی حاصل کر لئے ہیں عنقریب آپ کی خدمت میں ملک کی مشہور ادیبہ محترمہ رضیہ سجاد ظہیر، خواجہ احمد عباس، مسٹر مہندر ناتھ جناب کنھیا لال کپور اور دوسرے مشہور مصنفین کی نگارشاتِ عالیہ پیش کی جائیں گی۔

مجھے امید ہے کہ اردو ادب کے اس بحرانی دور میں آپ برادرم خوشتر گرامی سے مکمل تعاون فرمائیں گے۔ اور اس سلسلے میں ان کی کاوشوں کو لبیک کہیں گے۔ فی زمانہ اگر آپ اردو کتابوں کو خود خرید کر پڑھیں گے اور اس خریدنے اور پڑھنے کے عمل کو ایک قومی فریضہ سمجھ کر انجام دیں گے تو اس زبان کی کما حقہٗ حفاظت ہو سکے گی ورنہ نہیں۔ باتوں کا زمانہ گذر گیا۔

عشرت حیدر

www.taemeernews.com

جَرا اور جَری

جرا اور جری پونچھ کے پہاڑی علاقے میں چھانجل گاؤں میں رہتے تھے۔ چھانجل گاؤں علیا آباد سے اوڑی کو جاتے ہوئے رستے میں پڑتا ہے یہاں پر ایک کہستانی سلسلہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا کہستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے اور ان دونوں سلسلوں کے درمیان ایک تنگ سی گہری گھاٹی میں ایک پہاڑی نالہ بہت زور شور سے بہتا ہوا پتھروں اور چٹانوں سے سر ٹکراتا ہوا پونچھ کے میدانوں کی طرف چلا جاتا ہے، یہاں پر اس گہری گھاٹی کو پاٹ کر ایک لکڑی کا پل بنایا گیا ہے اور چھانجل گاؤں اس پل کے دونوں طرف اونچے نیچے ٹیکروں پر نالے کے دونوں طرف آباد ہوتا چلا گیا ہے۔

www.taemeernews.com

جدھر جدھر نالہ چلتا ہے اُدھر اُدھر دہقان کے کھیت جاتے ہیں اور گاؤں کے گھر، مردوں کے ہل، عورتوں کی محبت اور بچوں کی ہنسی جاتی ہے اور زمین پانی اور محبت کا ایک عجیب سا مثلث بنتا چلا جاتا ہے اور اس مثلث میں کوئی کمی نہیں ہے۔ کتنی معمولی سی بات ہے۔

جبرا اور جبری کی زندگیاں بھی اس معمولی سے دھرے پر گزر رہی تھیں جبرا کا گھراٹ (پن چکی) نالے کے اُس پار تھا۔ جہاں وہ اُسی گھراٹ سے ملے ہوئے ایک چھوٹے سے گھر میں اپنی بوڑھی ماں اور باپ کے ساتھ رہتا تھا اور جبری نالے کے اس طرف بھیڑ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ دونوں کے بیچ میں لکڑی کا پل تھا جو جھانجل گاؤں کے دونوں حصّوں کو ملاتا تھا اور پونچھ سے علیا آباد روڑی آنے جاتے مسافروں اور قافلوں کی آمد و رفت کے لئے بڑی آسانی بہم پہنچاتا تھا۔ ہر شام کئی قافلے یہاں آکر پل کے دونوں طرف قیام کرنے کے لئے رُکتے۔ پن چکی والے جبرے سے آٹا پسوایا جاتا۔ جبری کے بکروال باپ سے گائے بھینسوں کا دودھ طلب کیا جاتا۔ جبری دودھ بھری مشکی سر پر اٹھائے پل کے اس پار اور اُس پار سے اِس پار جاتی اور دن میں کئی بار جبرے کے سامنے سے گذر جاتی۔ جو اس کی طرح سر پر بکرے کی کھال میں آٹا رکھے قافلے والوں کو آٹا پہنچانے جاتا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکرا کر کئی مرتبہ دیکھا تھا لیکن جانا نہ تھا۔ دیکھنے اور جاننے میں بہت فرق ہے۔ اور پھر جبرا اور جبری بہت ہی معمولی قسم کے لوگ تھے۔ جبری سانولے رنگ کی ایک لڑکی تھی جس کی آنکھوں میں، نگاہوں میں، لبوں میں، چال ڈھال میں کوئی

www.taemeernews.com

دوسری بات نہ تھی۔ وہ دن بھر اپنے باپ کے گلّے کی بھیڑ بکریاں، گائیں بھینسیں نالے کے کنارے کنارے چرایا کرتی اور دوپہر کو ندی کے تلے کے درمیان جو چنار کا درخت کھڑا تھا اُس کے سائے میں اپنے ڈھور ڈھنگر کھڑا کرتی اور خود آرام سے کسی بھیڑ کے نیچے یا بکری کے میمنے کو گود میں لے یا تو سو جاتی یا پہاڑی گیت گایا کرتی۔ ایسے پہاڑی گیت جو اُس کی طرح ہزاروں پہاڑی لڑکیاں شب و روز گاتی ہیں۔ ان پہاڑی گیتوں میں بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ یہ پہاڑی گیت جری سے پہلے اُس کے سامنے گائے گئے تھے۔ اور اس کی ماں نے اپنی ماں سے سیکھے تھے اور اس کی ماں نے اپنی ان کی ماں سے ..... مطلب یہ کہ یہ گیت نئے نہیں تھے۔ اس میں جری نے ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہیں بڑھایا تھا۔ یہ گیت پہاڑوں کی طرح پرانے تھے اور دھان کے کھیتوں کی طرح جانے پہچانے تھے اور سب سے پہلے پہاڑی لڑکیوں کے دل سے نکلے تھے۔ اس لئے انھیں معلوم ہونے کے وجود دان میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ نہ وجرا کہاں نا یوسف تھا۔ اُس کے خدوخال مرتے اور بھدّے تھے۔ رنگ کالا تھا، اور بال دھبہ میلنے کی ان میں بہت بری عادت تھی۔ اُس کے ہاتھ موٹے کھردرے اور جھکے تھے۔ وہ اکثر اپنی ٹانگیں جن پر بہت سخت اور کھردرے بال تھے لیلخ کی طرح پھیلا کر چلتا تھا اور اپنے سر پر آٹے کی ڈیڑھ من کی کھال بہت آسانی سے رکھ کر ندی کے اس پار سے اس پار لے جا سکتا تھا۔ لیکن یہ بھی کوئی خاص بات نہ تھی ہزاروں پہاڑی مرد شب و روز اس سے بھی زیادہ بوجھ اٹھاتے ہیں اس لئے جری

www.taemeernews.com

نے اس میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جو اُسے اپنی طرف کھینچ سکتی۔
ہاں ایک صبح اُس نے کچھ بہت عجیب و غریب سا محسوس کیا معمولی سے معمولی فرد کی زندگی میں بھی ایک صبح ایسی آتی ہے جو بہت عجیب و غریب ہوتی ہے۔ حالانکہ اس دن صبح سویرے پہلے پہل کوئی بات نہیں دیکھی۔ دوسری صبحوں کی طرح یہ بھی ایک صبح تھی۔ وہی گاؤں تھا۔ وہی گھر تھا۔ جانوروں کے بھوسے خانے سے جانور، دن کے ڈکرانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اٹھی۔ اس نے کھال میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ کھال میں آٹا نہیں تھا۔ اس نے ایک دوسری کھال میں مکئی کے دانے بھرے اور صبح صبح ہی آٹا پسانے چل دی۔ کیونکہ اگر وہ پہلے جانوروں کو کھول دے گی تو آٹا کس وقت پسائے گی۔ اور صبح کا کھانا کب تیار ہوگا۔ اس کا باپ ابھی تک کھاٹ پر سویا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں آنگن سے نکلی اور پل کی طرف ہولی۔ بالکل سینکڑوں ہزاروں لاکھوں صبحوں کی طرح آج بھی وہی صبح تھی وہی رستہ تھا۔ وہی دھندلکا تھا۔ نالے کا وہی شور تھا۔ پل کے تختے اسی طرح اوس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بائیسواں تختہ اور پھر ستائیسواں تختہ اور پھر اٹھائیس سے تیس تک کے تختے پاؤں رکھنے میں ہلنے لگتے تھے۔ اور ہر بار اسے گمان ہوتا تھا کہ وہ اب گری، لیکن جانے کب سے یہ لکڑی کے پل کے تختے ہل رہے تھے اور ہلنے کے باوجود اپنی جگہ پر سلامت تھے۔ پہلے وہ لکڑی کے تختے گنا کرتی تھی اور ہلتے ہوئے تختوں پر بہت احتیاط سے قدم رکھا کرتی تھی لیکن اب اس نے یہ گنتی چھوڑ دی تھی۔ اب اُس کے قدم خود بخود ہل رہے تیز تیز چلتے جاتے اور ہلتے ہوئے تختوں پر خود بخود ہزاروں دل سے

www.taemeernews.com

دھیمے دھیمے چلتے جاتے تھے۔ قدموں نے تختوں کو پہچان لیا تھا اور گنتی خود بخود دماغ پر نقش ہو گئی تھی۔ لیکن جری کو اس تبدیلی کا کوئی احساس نہ ہوا کیونکہ یہ صبح دوسری صبحوں کی طرح جانی پہچانی یک رنگ اور ہموار تھی۔ وہ بہت آسانی سے پُل پر سے گذر کر گھراٹ کے اندر چلی گئی۔

ہاں گھراٹ کے اندر جاتے ہی وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی اور کچھ نا اُمید سی ہو گئی، کیونکہ گھراٹ چل نہیں رہا تھا۔ جرا چکّی کے پاٹ کھولے ہتوڑا اور کیلا ہاتھ میں لئے پاٹ کے دندانے درست کر رہا تھا۔ اُس نے جری کو اندر آتے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اُس کی طرف دیکھا۔ دوسرے لمحے میں وہ نظریں نیچی کر کے کیلے کو ہتوڑے سے ٹھونک رہا تھا۔

جری نے کہا: "آٹا پسانا ہے۔"

جرے نے کہا: "تو پھر میں کیا کروں؟"

جری نے کہا: "گھراٹ چلاؤ۔"

جرے نے کہا: "کیسے چلاؤں۔ دیکھتی نہیں ہو۔ پاٹ کی دھار ٹھیک کر رہا ہوں۔"

جری بولی: "لیکن مجھے جلد ہی واپس جانا ہوگا۔"

"ہاں سبھی یہ کہتے ہیں۔" جرا بولا۔ "دس سال سے میں سن رہا ہوں گاؤں والوں سے۔ کوئی بھلا مانس یہ کہتے نہیں سنا گیا۔ میں جلدی میں نہیں ہوں تم ذرا ٹھہر کیے آرام سے اطمینان سے آٹا پسا دو۔ ایسا آج تک کبھی نہیں سنا۔"

جرا بے اختیار ہنسنے لگا۔

www.taemeernews.com

جمری بولی "تم مجھ پر ہنستے ہو؟"

"نہیں۔ یہ تو میری عادت ہے۔ سب جانتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتی ہو؟"

وہ پھر ہنسا

جمری کو بہت غصہ آیا لیکن آٹا پسانا تھا۔ اور دور دور تک کہیں کوئی گھراٹ نہ تھا۔ اس لئے چپ ہو رہی۔ جمرا کیلے اور ہتوڑے سے پاٹ ٹھیک کرتا رہا۔ ہتوڑے اور کیلے کی ضربیں نالے کے شور سے مل کے جمری کے کانوں میں ایک بے ہنگم گونج کا تاثر پیدا کرنے لگیں۔ وہ اب کی لجاجت سے بولی لیکن ایسی لجاجت میں دبا دبا غصہ بھی شامل تھا "میں کب آٹا پسا کے گھر لے جاؤں گی۔ کب روٹی پکاؤں گی۔ کب ڈھور ڈنگر کھول کر چرانے لے جاؤں گی۔ لوگوں نے ڈھور ڈھول بھی لئے ہوں گے"

جمرے نے جمری کی نحیف آواز کی لجاجت پر بہت ترس آیا۔ اس نے ہتوڑے اور کیلے کو اٹھا کے ایک طرف رکھ دیا۔ اور چکی کے پاٹوں کو احتیاط سے صاف کرنے لگا۔ ورنہ آٹے میں پتھر کے ذرے جائیں گے۔ یہی سوچ کر جمری بھی اس کی مدد کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں پاٹ صاف ہو گئے۔ اب معاملہ اوپر کے پاٹ کو گھما کر نچلے پاٹ پر رکھنے کا تھا۔ جمری نے پھر مدد کرنی چاہی۔

"ٹھہرو میں خود ٹھیک کر لوں گا"

"نہیں۔ میں بھی" جمری نے مدد کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو ادھر سے اٹھا لا"

جمری نے پاٹ کو ادھر سے سہارا دیا جدھر جمرے نے اشارہ کیا تھا۔ دوسرے

www.taemeernews.com

لمحہ میں جیرے نے بہت چابکدستی سے پاٹ کو گھماکر نچلے پاٹ پر رکھ دیا تا رلٹ تن کے کانوں میں ایک زور کی چیخ سُنائی دی۔

کیا ہوا۔ اُس نے جیری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

" میری انگلی!" جیری مشکل اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ جیرے نے فوراً پاٹ کو اٹھا دیا لیکن اتنی ذرا سی دیر میں انگلی کی آگے کی پور کچلی جا چکی تھی اور اُس سے لہو بہ رہا تھا

" میں تم سے کہہ رہا تھا۔ تم پاٹ کے قریب مت آؤ" جیرا غصے میں بولا

جیری رونے لگی۔

" تم عورتوں کو رونے کے سوا اور کچھ آتا بھی ہے" جیرا جیری کا شانہ پکڑ کر گھراٹ کے باہر لے گیا۔ جہاں گھراٹ کا پانی پن چکی سے نکل کر آبشار بناتے ہوئے ایک ٹھنڈی کول کی صورت میں دُور تک بہتے ہوئے نیچے ندی میں جا ملتا تھا۔ یہاں پر جنگلی سونف، ہینگ اور دھتورے کی جھاڑیاں تھیں۔ جیری کے نتھنوں میں پہلے تو جنگلی سونف کی خوشبو آئی۔ پھر دھتورے کے پھولوں کی کڑوی خوشبو آئی۔ پھر جب جیرے نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے خون آلود ہاتھ کو کول کے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیا۔ تو اُس کے دل و دماغ پر ایک عجیب خوشبو چھا گئی، جو میٹھی بھی تھی اور کڑوی بھی اور نشیلی اور غنودگی آمیز بھی۔ ایسی عجیب خوشبو آج تک اُس کے ذہن پر کبھی چھائی نہ تھی۔ فرطِ جذبات سے اُس کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں اور اُس کے احساسات کے بند بند ڈھیلے ہونے لگے اور اسے یہ معلوم نہ ہوا کہ کب جیرے نے اس کی انگلی کا لہو صاف کیا۔ کب اُس پہ بوٹی کا لیپ کیا۔ کب اپنی قمیص پھاڑ کر اس پر کپڑے کا چیتھڑا باندھا۔ اُسے اُس وقت ہوش آیا جب

www.taemeernews.com

اس نے دیکھا کہ وہ جیرے کے کندھے سے لگی کھڑی ہے اور جیرا اپنے ہاتھوں سے اُس کی آنکھوں کے آنسو پونچھ رہا ہے۔ اور اُس سے بہت نرم، سنہرے اور گہرے لہجے میں کہہ رہا ہے "جری او ..... جری او جری ..."

جری یکایک اُس کے کندھے سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ پہلے اُس نے اپنی زخمی اُنگلی کی طرف دیکھا۔ پھر جیرے کی طرف۔ پھر یکایک اُس کی نگاہ سامنے کے پہاڑوں پر ٹھہری اور اُسے محسوس ہوا کہ پہاڑوں پر جنگل کھڑے ہیں۔ جنگلوں میں درخت ہیں۔ درختوں پہ انگور کی بیلیں ہیں۔ انگور کی بیلوں میں شہد کے چھتے ہیں اور شہد کے چھتوں پر نیلا آسمان جُھکا ہوا دھیمے دھیمے سانس لے رہا ہے۔ جری نے حیرت اور استعجاب میں گم ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھا اور اُسے محسوس ہوا جیسے وہ ہر روز ہونے والی پُرانی صبح نہیں تھی۔ یہ تو کوئی بالکل ہی نئی نویلی نازک نازک سی صبح تھی۔ دھنک کی طرح سہانی۔ نیل اور سب رنگ، ایسی صبح جو آج تک اُس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔ حالانکہ وہی وقت تھا۔ وہی سماں تھا۔ وہی نالہ تھا۔ وہی سورج تھا۔ یکایک جری نے چونک کر جیرے کی طرف دیکھا اور اس لمحے میں اُسے احساس ہوا کہ نئی صبح سورج نہیں لاتا ہے۔ آدمی لاتا ہے۔

جیرے نے کہا "چلو آٹا پیسا لو!"

کونسی نئی بات ہے جو پُرانی نہیں ہو جاتی۔ جیرے اور جری کی کہانی بھی پُرانی ہو گئی۔ چند روز تک گاؤں کے بڑے بوڑھوں کی باتوں کا مرکز رہی۔ چند دنوں تک گاؤں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دلوں کو برماتی رہی۔ پھر

www.taemeernews.com

جب جرے کے باپ نے اور جری کے باپ نے آپس میں مشورہ کرکے اُن دونوں کے نکاح کے لئے ہاں کردی تو بات ختم ہوگئی۔ معمولی سی بات تھی، معمولی سی محبت بھی معمولی سے طریقے سے شروع ہوئی۔ اگلے موسم خزاں میں نکاح کے موقع پر اپنی معمولی جانے پہچانے انداز میں ختم ہو جائے گی۔ اللہ اللہ خیر صلا!

لیکن جرا اور جری کے لئے بات ختم نہیں ہوئی۔ وہ تو ابھی شروع ہی ہوئی تھی۔ نکاح کا فیصلہ ہونے کے بعد ہی جری کے باپ نے جری کا پن چکی پر جانا بند کر دیا۔ کیونکہ یہی گاؤں کا رواج تھا۔ اب تو شادی کے بعد ہی جری وہاں جا سکے گی۔ جری اب جہاں کہیں جرے کو آتا دیکھتی۔ تو وہ دور ہی سے گھونگھٹ نکال لیتی۔ یا منہ موڑ کے کھڑی ہو جاتی۔ کیونکہ گاؤں کا یہی رواج تھا۔ رواج نے محبت کے جذبے پر بندھ باندھ کر اس میں گہرائی اور شدت پیدا کر دی۔ اب جری پل کے اُس پار تھی، اور جرا پل کے اِس پار۔ کبھی کبھی وہ شام کے ڈھلتے سایوں میں اپنی پن چکی کے دروازے پر کھڑا ہو کر نیچے ندی کے تلے بھیڑ بکریاں چرانے والی جری کو دیکھتا۔ دیکھتا، دیکھتا ہی رہتا۔ یہاں تک کہ جری اُس کی نگاہیں اپنے رخساروں پر محسوس کرنے لگی۔ اُس کے گال تمتما اُٹھے اور وہ اتنی دور ہی سے گھونگھٹ نکال بھیڑ بکریوں کو سونٹی مارنے لگی اور پن چکی کے دروازے پر کھڑا جرا ایک مست آواز میں گانے لگتا

کستیاں دے پار میرا چن وسدا

(ندی کے اُس پار میرا چاند بستا ہے)

www.taemeernews.com

وہ پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگتا۔ وہ بلا وجہ ہنستا تھا۔ اور اب اور بھی بلا وجہ ہنسنے لگا تھا
لیکن لوگ جو پہلے اس کی ہنسی کی وجہ نہیں سمجھتے تھے اب سمجھنے لگے اور اس لئے
اسے معاف کر دیتے تھے۔

پھر ایک طویل انتظار کے بعد چنار کے شعلہ رنگ پتوں والی خزاں آئی اور
نمبردار جمری کے گھر میں شادی کے شادیانے بجنے لگے اور قبیلے کی عورتیں مختلف
رسموں کو ادا کرنے کے لئے پل کے اس پار سے اس پار جانے لگیں اور اس
پار سے اس پار آنے لگیں۔ پل پر آمد و رفت بڑھ گئی کیونکہ کرشنا کا گھر پل
کے اس پار تھا تو درزی کا گھر اس پار تھا۔ مانجھی پیر کا مزار ادھر تھا تو
نکاح خوانی والے مولوی ابراہیم کی مسجد ادھر تھی۔ عجیب گہما گہمی کا عالم تھا۔
پہاڑی راستے بہت تکلیف دہ اور دشوار گزار تھے اس لئے دور دراز کے
گاؤں سے دونوں قبیلوں کے رشتہ دار مرد اور عورتیں بیاہ سے کئی دن پہلے
چھانجل میں آ گئے تھے اور جو نہیں آ سکے تھے انہیں بھی شادی سے چار دن پہلے
ضرور پہنچنا تھا جس دن مانجھی پیر کے مزار پر نیاز دی جانے والی تھی۔
نیاز کے دن جرا خود سر پر پکوان اٹھائے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں
کے گھر گھر نیاز بانٹتا رہا۔ اور بزرگوں کی دعائیں لیتا رہا۔ دن بھر ڈھلوانیں
اترنے اور گھاٹیاں چڑھنے کے بعد وہ بالکل تھک گیا لیکن پھر بھی وہ دن بھر
بہت خوش رہا۔ کئی بار نیاز بانٹنے کے سلسلے میں اسے جمری کے گھر کے سامنے
سے گزرنا پڑا اور شریر لڑکیوں کی نگاہوں اور ان سے زیادہ ان کی شریر گالیوں

www.taemeernews.com

کا سامنا کرنا پڑا لیکن اُس نے ان گالیوں کا بُرا نہیں مانا۔ بلکہ ہر بار جری کے گھر کے سامنے سے گذرتے ہوئے اُس نے ایک عجیب سی خوشی محسوس کی۔

آج اُسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ آج کے بعد وہ اب اس طرف اگلے چار روز کے لیے نہیں آسکے گا۔ اور آئے گا۔ تو صرف شادی کے دن سہرا باندھ کر آسکے گا۔ اِس لئے اُس کا جی چاہتا تھا کہ آج جتنی بار وہ اِس گھر کے سامنے سے گذرے اچھا ہے۔ کیا ہوا اگر وہ جری کو نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اُس کے گھر کے سامنے سے تو گذر سکتا ہے۔ اس وقت اُسے اُس گھر کا ایک ایک کونہ پیارا معلوم ہو رہا تھا۔

اُسی شام کو جب وہ پن چکی دروازے پر کھڑا شادی کے خوش آئند تصورات میں گم تھا، اُس کے دوست دلا مہنے پُل پر سے بھاگتے ہوئے آکر اُسے بتایا کہ جری کے قبیلے کی عورتیں جری کو لے کے پیر مانجھی کے مزار پر چراغ جلانے کیلئے جارہی ہیں۔ مانجھی پیر کا مزار پُل کے اس پار تھا اور جیہے کی پن چکی پل کے اتنی قریب تھی۔ اس لئے ان عورتوں کے گذرنے کا راستہ اس پل کے سوا اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ اس لئے اگر جیہا چاہے تو بغیر کسی تردد کے اپنے دروازے پر انتظار کر کے اپنی جری کو نیا لباس زیب تن کئے بڑے مزار کی طرف جاتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ جیرا بے حد خوش ہوا اُس نے اپنے دوست کو گلے سے لگا لیا۔ اور وہیں دروازے پر کھڑا کھڑا عورتوں کے جلوس کی راہ تکنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب شام کا دھندلکا گہرا ہونے لگا تو جیرا اور دلا در نے عورتوں کی ایک لمبی قطار کو پُل کے اُس پار چھانجل کی دوسری ٹیکری سے نکل کر

www.taemeernews.com

پل کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ابھی وہ عورتیں بہت دور تھیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ پھر ان عورتوں کے گانے کی آواز نالے کے دونوں طرف کھڑے پہاڑوں سے ٹکرا کر گونج پیدا کرتی ہوئی سنائی دینے لگی۔ عورتیں اب بھی بہت دور تھیں لیکن جرا اتنی دور سے بھی جری کی گہری سرخ رنگ کی شلوار اور قمیص پہچان سکتا تھا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا اور وہ بہت بے چینی اور بے قراری سے عورتوں کو گھاٹی پر چڑھتے ہوئے پل کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھنے لگا۔

عین اسی وقت آسمان پر دو طیارے نمودار ہوئے۔ ان کے شور اور گڑگڑاہٹ نے آس پاس کے پہاڑوں کو اپنی دہشت ناک گونج سے بھر دیا۔ جرا اور دلاور نے آج تک ہوائی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے کوئی آسمانی بلا سمجھا۔ وہ دونوں خوف اور دہشت سے زمین پر گر گئے اور اپنی آنکھیں بند کر کے خدا کو یاد کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک زور کا دھماکا ہوا۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔ پھر چوتھا۔ آخری دھماکے پر پل کا بیچ کا حصہ کڑکڑا کر نیچے نالے میں گر گیا۔ نالے کا پانی بلیوں اوپر اچھلا۔ دھرتی کانپی۔ پھر ہوائی جہازوں کی گونج دور ہوتی گئی۔ آخر میں بالکل سناٹا چھا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب جرے نے آنکھ کھولی تو اس نے دیکھا کہ پل سے دور اس پار خوف زدہ عورتیں چٹانوں میں دبکی پڑی ہیں۔ کچھ غالباً بے ہوش ہو گئی ہیں۔ کچھ وحشی ہرنیوں کی طرح بھاگتی ہوئی واپس اپنے گھروں کو بھاگ رہی ہیں۔ وہ بھاگتا ہوا پل کی طرف دوڑا۔ اور بانہیں پھیلا کر چلا چلا کر کہنے لگا۔

"جری .... او .... جری .... تم کہاں ہو؟"

www.taemeernews.com

اُس کی آواز دُور دُور تک پہاڑوں سے گونج کر لوٹ آئی اور وہ پل پر بہت آگے نہ جا سکا۔ کیونکہ پل کا درمیانی حصّہ ٹوٹ کر نیچے نالے میں گر چکا تھا۔

اس کے چند گھنٹوں بعد اُس کے علاقے میں قبائلی پٹھان اور پاکستانی فوج کے جوان میجر عبدالعزیز کی قیادت میں آن پہنچے۔ جرے کی پن چکی بالکل پل پر ایک اچھے فوجی موقع پر واقع تھی۔ اس لئے انہوں نے اس پر قبضہ کر کے اس پر فوجی چوکی قائم کر دی۔ رات بھر پل کے دونوں طرف گولہ باری ہوتی رہی۔ مشین گنیں چلتی رہیں اور جب صبح ہوئی تو جرے نے دیکھا کہ اُس کا اپنا گاؤں آدھا اِس طرف ہے اور آدھا اُس طرف ہے اور بیچ میں دو سلطنتوں کی فوجیں حائل ہیں۔

جرا سیاست کو بالکل نہیں سمجھتا تھا لیکن وہ اپنی شادی کو خوب سمجھتا تھا اُسے یہ تو پتہ نہیں چلا کہ ایسا کیوں ہوا۔ لیکن اُسے یہ ضرور پتہ چل گیا کہ ایسا ہونے سے اُس کی شادی ضرور رُک گئی ہے۔ اس کا اُسے بہت غصّہ تھا۔ بہت رنج تھا۔ لیکن وہ ایک غریب آدمی تھا۔ ایک ڈرا ہوا آدمی تھا۔ اس لئے دو دن تو اپنے غصّہ کو دل کے اندر ہی اندر چھپائے ہوئے بے قراری سے تڑپتا رہا۔ آخر جب اُسے کسی طرح چین نہ آیا تو وہ سپاہیوں کی منّت سماجت کر کے کسی نہ کسی طرح میجر عبدالعزیز کے سامنے پہنچ گیا۔

میجر عبدالعزیز شکل و صورت سے نوجوان۔ خوش رُو اور خوش گفتار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے بہت دلچسپی سے جرے کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے

www.taemeernews.com

پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"میں جرا ہوں۔"

"جرا؟ جرا کسے کہتے ہیں؟"

"جرا چھوٹے آدمی کو کہتے ہیں"

"لیکن تم تو چھوٹے نہیں نظر آتے۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے نظر آتے ہو" میجر عبدالعزیز ہنسا۔ پھر رک کر کہنے لگا۔

"اچھا بتاؤ۔ کیا کام ہے؟"

جرے نے رک رک کر کہا" حضور۔ کل میری شادی ہے!"

"اچھا تو کیا شادی کی دعوت دینے آئے ہو۔ ضرور آئیں گے بھی۔ کہاں ہے تمہاری شادی؟"

جرے نے پل کے اس پار اشارہ کر کے کہا" وہاں..."

میجر پہلے تو حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر ہنسنے لگا" ارے بے وقوف۔ دیکھتا نہیں ہے پل ٹوٹا پڑا ہے۔ تیری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟

"لیکن کل میری شادی ہے حضور!" جرے نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا" کیا پل پھر نہیں بن سکتا۔ بیچ ہی میں سے تو ٹوٹا ہے حضور۔ اگر حضور ذرا سی کوشش..."

" ارے بدھو ہماری کوشش کو روکنے والے وہ سامنے چوکی جمائے بیٹھے ہیں۔ کیا سمجھتا ہے تو۔ اگر یہ پل صحیح سلامت ہوتا تو کیا ہم اس وقت تیری شادی کا تذکرہ سننے کے لئے یہاں بیٹھے رہتے۔ بیچ میں نہ ہوتے؟

www.taemeernews.com

میجر عبدالعزیز نے ہاتھ کے اشارے سے جرے کو رخصت کر دیا۔ جرا بہت مایوس ہو کر وہاں سے چلا آیا۔
اس کی نظر دور جری کے گھر پر گئی
کل اس کی شادی ہے۔

شادی کی رات جری کے گھر سناٹا تھا۔ اس کا باپ چپ چاپ اپنے بستر میں دبکا پڑا تھا۔ اس کے رشتہ دار گھاٹیوں اور ڈھلانوں سے ہوتے ہوئے اپنے اپنے گاؤں کو بھاگ گئے تھے۔ جری اکیلی اپنے بستر پر پڑی رو رہی تھی۔ چاروں طرف اک گہری خاموشی تھی کبھی کبھی کر لیہل سکے چلنے کی دھائیں دھائیں سنائی دیتی۔ پھر ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔

اسی سناٹے میں جری دبے پاؤں اپنے گھر سے نکلی اور ندی کی طرف چلی چھپتی ہوئی، چٹانوں کی اوٹ میں سے گذرتی ہوئی، دبتی ہوئی وہ نالے پر پہنچ گئی۔ وہ سوہنی نہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں تیرنے کا مٹکا بھی نہ تھا پھر بھی وہ دوسرے کنارے جانے کے لئے بے تاب ہو کر پانی میں گھس گئی۔ اگر اس کا محبوب ادھر نہ آسکتا تھا۔ تو کیا ہوا۔ وہ ادھر جائے گی۔ کیا ہوا اگر پل ٹوٹ چکا ہے۔ اور پانی کے ریلے طوفانی ہیں۔ اور اسے بہا کر کبھی نیچے لے جاتے ہیں کبھی چٹانوں پر پٹخ دیتے ہیں۔ پھر بھی وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی ہے اس کے ہاتھ پاؤں زخمی ہو چکے ہیں۔ ٹخنوں اور گھٹنوں سے خون جاری ہے لیکن آج شادی کی رات ہے اور وہ اپنے شوہر کے پاس ضرور جائے گی

www.taemeernews.com

اور مولوی ابراہیم کی مسجد میں ضرور نکاح پڑھوائے گی۔ اور یہ نالہ اپنی تمام گھن گرج کے باوجود اُسے جانے سے نہیں روک سکتا۔ وہ سینکڑوں بار اس نالے میں تیری ہے سینکڑوں بار اس نے اس کے پانی میں بہ جانے والی بھیڑ بکریوں کو بچایا ہے۔ کیا وہ آج اپنی شادی میں نہیں جا سکتی۔ مانا کہ رات اندھیری ہے اور نالہ طوفانی اور خطرناک ہے۔ تو کیا ہوا۔ اُس کے دل میں تو کوئی اندھیرا نہیں ہے۔ وہاں تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہاں تو صرف یقین ہی یقین ہے!

جری کئی بار چٹانوں سے ٹکرائی ہے۔ کئی بار گری اور ڈوبی غوطہ کھانے لگی لیکن آخر دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ اُس کے جسم کا بند بند دُکھ رہا تھا۔ جیسے ہر ہڈی چٹخ گئی ہو۔ اُس کے دانت سردی سے کٹکٹا رہے تھے پھر بھی اس نے اپنے حوصلے کو مضبوط کیا۔ اور آہستہ آہستہ دبک کے آگے بڑھنے لگی یکایک ایک بھاری پتھر اُس کے پاؤں کے نیچے سے پھسل کر دور نیچے تک کھائی میں آواز پیدا کرتے ہوئے گر گیا۔ جری بہت مشکل سے گرتے گرتے بچی۔ یکایک اُس کے کانوں میں آواز آئی۔

"ہالٹ، ہُو کمز دیر!"

جری چٹان کے نیچے دبک گئی۔ بہت دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی لیکن اب بیٹھا رہنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ سردی سے اعضا اکڑے جا رہے تھے۔ اگر وہ کچھ دیر اس چٹان کے نیچے دبکی رہی تو شاید سردی سے مر جائے گی۔ اُس نے بہت مشکل سے چٹان کے نیچے سے اُٹھنے کے لئے اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ عین اسی وقت ایک گولی ہوا میں تیرتی ہوئی آئی اور اُس کی ہتھیلی کو چیرتی

www.taemeernews.com

ہمّی آگے نکل گئی۔ جری ایک چیخ مار کے بے ہوش ہو گئی۔

جب جری ہوش میں آئی تو اُس نے اپنے آپ کو سپاہیوں کے نرغے میں پایا۔ سپاہی اُسے ہوش میں آتے دیکھ کر میجر عبدالعزیز کے سامنے لے گئے۔ میجر عبدالعزیز بہت غصّے میں تھا۔

"تم نے رات کے وقت نالے کو پار کرنے کی کوشش کی؟"

جری نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم ہندوستان کی جاسوس ہو؟"

"جاسوس کِسے کہتے ہیں؟" جری نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

"اتنی بھولی مت بنو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جاسوس کی سزا موت ہے؟" میجر عبدالعزیز غصّے سے چیخا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا! میں تو صرف پل ٹوٹ جانے کی وجہ سے نالے کو پار کرکے آئی ہوں۔"

"کیوں آئی ہو؟"

جری نے سر جھکا لیا۔

"صاف صاف بتاؤ۔"

جری بہت نحیف آواز میں بولی۔ "آج .... آج میری شادی ہونے والی تھی .... جیرے سے .... وہ پن چکّی پر رہتا ہے۔ اُسے بُلا دو .... وہ مجھے پہچان لے گا۔ تمہیں سب بات بتا دے گا۔"

www.taemeernews.com

میجر سناٹے میں آگیا۔ بہت دیر تک اس دُبلی پتلی سانولی لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے ایک سپاہی کو جمیرے کو بلانے کے لئے بھیجا۔ سپاہی تھوڑی دیر کے بعد اکیلا واپس آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمیرا رات سے غائب ہے۔

جمیری کے چہرے پر خوف اور ڈر کے باوجود اُمید کی جو روشنی باقی تھی یکایک گم ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اُس کے ہونٹ سسکیوں سے کانپنے لگے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن زبان اُس کا ساتھ نہ دے سکی۔ اور وہ اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑی .....

میجر عبدالعزیز نے حکم دیا، کہ اس لڑکی کی اچھی طرح نگرانی کی جائے۔ اسے اچھی غذا اور دوا بہم پہنچائی جائے

یہ حکم دینے کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ اُس کی روداد آپ کو صرف اس کہانی سے مل سکتی ہے۔ اس کی کوئی شہادت، کوئی ثبوت ہندوستان اور پاکستان کے کسی اخبار سے نہیں مہیا کیا جا سکتا۔ نہ ان دونوں ملکوں کے کسی فوجی ڈسپیچ سے اس کا پتہ چل سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس حد تک ناقابلِ یقین اور محیرالعقول ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے کسی فرد کو مشکل ہی سے اس کا یقین آئے گا۔ مجھے خود اس کا یقین نہ ہوتا اگر خوش قسمتی یا بدقسمتی سے اُن کرداروں سے نہ مل چکا ہوتا جنہوں نے یہ واقعہ خود مجھ سے بیان کیا۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ میجر عبدالعزیز نے ایک خاص طریقے سے اپنی مخالفت

www.taemeernews.com

چوکی کے کمانڈر کیپٹن کپور چند سے گفتگو کی۔ کیسے گفتگو کی؟ کس طرح گفتگو کی؟ اسے بھی صیغۂ راز میں رکھنا چاہتا ہوں۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ سے بہت عرصہ پہلے عبدالعزیز اور کپور چند گارڈن کالج راولپنڈی میں ساتھ پڑھے ہوئے تھے۔ برسوں ایک دوسرے کے ہم جماعت رہے۔ برسوں فوج میں بھی ساتھ رہے۔ پھر جب ملک تقسیم ہوگیا تو عبدالعزیز پاکستانی فوج میں چلے گئے اور کپور چند ہندوستانی فوج میں رہ گئے۔ آج اتفاق سے وہ اپنی پرانی دوستی کے باوجود ایک دوسرے کی مخالف چوکیوں پر مشین گنیں لئے بیٹھے تھے۔ ان کی گفتگو بہت دلچسپ تھی۔

عبدالعزیز۔ "پاکستان زندہ باد!"

کپور چند۔ "جے ہند جے ہند!"

عبدالعزیز۔ "سنا اوئے خبیثا!"

کپور چند۔ "سنا اوئے ڈوسا!"

عبدالعزیز۔ "تیرا ایک جاسوس ہم نے پکڑا ہے۔ کیا بات ہے۔ اب تجھے کوئی مرد جاسوسی کے لئے نہیں ملتا جو اب عورتوں کو بھیجنے لگا ہے لیکن مرد ہو یا عورت۔ میں تو تیرے جاسوس کو گولی سے اڑا دوں گا۔"

کپور چند۔ "گھبرانہیں پیارے۔ ایک جاسوس ہم نے بھی پکڑ لیا ہے لیکن وہ عورت نہیں ہے۔ مرد ہے۔ اس لئے اُسے گولی مارنے میں اپنے کو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔"

عبدالعزیز۔ "اُس جاسوس کا کیا نام ہے؟"

www.taemeernews.com

کپور چند۔ "پہلے تم اُس جاسوسہ کا نام بتاؤ!"
عبدالعزیز۔ "اُس کا نام جری ہے۔"
کپور چند۔ "اس کا نام جرا ہے۔"
عبدالعزیز۔ "کالے رنگ کا، ناٹے قد کا مضبُوط جسم کا آدمی ہے؟"
کپور چند۔ "ہاں ہاں وہی۔"
عبدالعزیز۔ "ارے وہ جاسُوس نہیں ہے۔"
کپور چند۔ "تو پھر کون ہے؟"
عبدالعزیز۔ "جس لڑکی کو میں نے پکڑا ہے۔ وہ بھی جاسُوس نہیں ہے۔"
کپور چند۔ "تم کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ ہمارے ساتھ تو خاصے عقلمند ہوا کرتے تھے۔"
عبدالعزیز۔ "سُنا دیتے بد دیا تُمنا!"

اس کے بعد عبدالعزیز نے اُسے ساری روداد سُنائی۔ اور اب اس کہانی کے ٹکڑے جوڑنے میں بھی مزہ لینے لگے لیکن سب سے زیادہ لُطف اِس بات میں آیا کہ جس رات جری جھاڑیوں کے اُس پار سے نالے کو عبُور کر کے اِدھر آئی۔ اُسی رات جرا بھی اپنی محبت سے بے چین بے قرار ہو کر اِدھر سے اُدھر چلا گیا۔
کپور چند۔ "گویا دونوں محبُوب پھر الگ ہیں؟"

یہ کہہ کر کپور چند زور زور سے ہنسنے لگا۔ عبدالعزیز نے ذرا سنجیدہ ہو کر اس سے پُوچھا۔ "اب کیا کرنا چاہیئے؟"
کپور چند۔ "میرے خیال میں تو ایک دُوسرے کی شادی کر دینی چاہیئے۔ تم اُس لڑکی کو میرے ہاں بھجوا دو۔ میں گولی نہ چلانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ آخر وہ

www.taemeernews.com

لڑکی میرے علاقے کی ہے۔ شادی میرے علاقے میں ہو گی"۔

عبدالعزیز:" واہ یہ کیوں۔ دُولہا میرے علاقے کا ہے۔ یہ شادی میرے علاقے میں ہوگی۔ تم اُس پن چکی والے کو میرے یہاں بھیج دو۔"

کپوُر چند:" یہ مجھے منظور نہیں"۔

اِس کے تھوڑی دیر بعد یہ سلسلۂ گفتگو منقطع ہو گیا۔ لیکن دُوسرے دِن پھر میجر عبدالعزیز اور کپوُر چند کی گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔

عبدالعزیز:" ارے وہ لڑکی بہت بُری حالت میں ہے۔ ڈاکٹروں کے خیال میں اُسے سخت شاک پہنچا ہے۔۔۔۔"

کپوُر چند:" اُسے میرے ہاں بھیج دو۔ تُم سے کہہ چکا ہُوں"۔

عبدالعزیز:" بے کار بات کرتے ہو"۔

کپوُر چند:" تمہاری مرضی۔ جے ہند!"

عبدالعزیز:" پاکستان زندہ باد۔۔۔ مگر سُنو ایک بات۔۔۔۔۔ ایک ترکیب اور سُنو۔ پُل کا شمالی حصّہ ہمارے قبضہ میں ہے۔ جنوبی حصّہ تمہارے پاس ہے لیکن بیچ کا حصّہ جو ٹوٹا ہُوا ہے۔ وہ نہ پاکستان کے پاس ہے۔ نہ ہندوستان کے پاس ہے۔ میری تجویز ہے کہ اس ٹوٹے ہوئے حصّہ کو مکمل کرا کے۔۔۔"

کپوُر چند:" بہت خوب میں تمہاری چال سمجھتا ہُوں"۔

عبدالعزیز:" خُدا کی قسم یہ کوئی چال نہیں ہے۔ تم جو چاہے مجھ سے قسم لے لو۔ لیکن میں چاہتا ہُوں کہ دونوں کی شادی ضرُور ہو جائے۔ اور اُس جگہ پر ہو جہاں میرا ضمیر بھی صاف رہے۔ اور تم پر بھی کوئی حرف نہ آئے۔ یہ پُل

www.taemeernews.com

کی درمیانی جگہ سب سے اچھی رہے گی۔"

کپورچند۔" اچھا۔ مگر شادی کے بعد یہ پل پھر اُڑا دیا جائے گا۔"

عبدالعزیز۔" مجھے منظور ہے...... لیکن دیکھو۔ کسی کو پتہ نہ چلے.... کھاؤ گارڈن کالج کی اُس لڑکی کی قسم..."

کپورچند۔" ہائے۔ کیوں اُس کی یاد دلاتے ہو..... یہ جری کیسی ہے؟"

عبدالعزیز۔" اُس کی صورت نہ دیکھو۔ اُس کا دل دیکھو...."

کپورچند۔" تو آج رات کو مولوی بلا بھیجو لیکن یہ یاد رہے۔ کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو نہیں تو..."

عبدالعزیز۔" جانتے ہو کس غارت گر کی قسم کھائی ہے؟"

سلسلۂ گفتگو پھر منقطع ہو گیا۔

اُس روز چھانجل کے لوگوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ پل کے درمیانی حصے کو چھانجل کے اُس پار دونوں طرف بسنے والے لوگوں نے اپنی محنت سے ٹھیک کر لیا۔ دونوں طرف کے سپاہی براتی لئے ہوئے گھوم رہے تھے۔ پل پر روشنی تھی اور نغمہ تھا۔ خوب صورتی تھی اور امن تھا۔ بندوقیں چپ تھیں اور توپوں کے دہانے خاموش تھے۔ آج کوئی زخمی نہیں تھا۔ آج کوئی کسی کو گولی مارنے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ چاروں طرف ایک عجیب فضا تھی۔ اور مولوی ابراہیم بہت ہی پاکیزہ لہجے میں قرأت سے خطبہ پڑھ رہا تھا

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

(نکاح میری سنت ہے اور جس نے بھی
میری سنت سے انحراف کیا وہ میرا نہیں)

---

www.taemeernews.com

آج چھانجل کا پُل کہیں نہیں ہے۔ مخالف فوجیں پُل کے شمالی حصے پر مشین گنوں کے گھونسلے جمائے بہت ہی مستعدی سے لڑنے مارنے کو تیار بیٹھی ہیں۔

لیکن جرا اور جری کی شادی ہوگئی ہے اور چھانجل کے لوگوں نے ایک اور پُل بنالیا ہے۔ یہ پُل جو دلوں کے اندر سے گذرتا ہے اور جس کا کوئی تختہ نہیں ہلتا!

www.taemeernews.com

دو عشق

مسٹر رام لبھایا رنگ کے اعتبار سے شلجم تھے، ہونٹوں کے اعتبار سے ٹماٹر تھے، چہرے کی ساخت سے امرود اور لڑھکنے میں تھالی کے بینگن دکھائی دیتے تھے۔ یعنی عالمِ نباتات کی اتنی خوبیاں اُن میں جمع ہو گئی تھیں، کہ اگر انہیں آدمیوں کی صف میں کھڑا کرنے کے بجائے پھلوں اور ترکاریوں کی نمائش میں رکھ دیا جاتا تو اوّل درجے کا انعام پاتے۔

لیکن اگر اُن کا شمار آلوؤں کے بجائے آدمیوں میں ہوتا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے اور اکثر بہت تیزی سے چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں میں بلّی کی پھرتی جسم میں نیولے کی سی لچک اور چال

www.taemeernews.com

میں مولے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اِس اعتبار سے اُن کا شمار جانوروں میں ہو سکتا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں رہنے کے بجائے کسی چڑیا گھر کے پنجرے میں بند ہوتے اور ہم ہر اتوار کو اپنے بچوں کو ساتھ لے کر انہیں دیکھنے جاتے اور انہیں مونگ پھلی اور بھنی ہوئی دال کھلاتے اور حیرت کرتے کہ قدرت نے کیسے کیسے نادر شاہکار تخلیق کیے ہیں۔

لیکن مسٹر لبھایا جانور نہیں انسان تھے اور اُن کا شمار انسانوں میں اس لیے ہوتا تھا کہ وہ عشق کرتے تھے۔ یہ عشق ہے جو آدمیوں کو عالم حیوانات، نباتات اور جمادات سے بلند کرتا ہے۔ عشق نہ ہو تو آدمی اور کدو میں کیا فرق ہے۔

مسٹر رام لبھایا کے عشق کا حال تو بہت بعد میں آئے گا۔ ابھی یہاں پر اُن کی آنکھوں کا حال بیان کرنا باقی ہے۔ مسٹر رام لبھایا کے چہرے پر اُن کا ماتھا اور اُن کی آنکھیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ آنکھوں سے نیچے کا حصّہ بہت سے دوسرے چہروں کی نقل ہو سکتا ہے لیکن اُن کا ماتھا اور اُن کی آنکھیں اپنی ہیں۔ یہ آنکھیں ہر وقت ایسی بے قرار، بے چین اور مضطرب رہتی ہیں۔ کہ اُن کی رنگت کبھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ بھوری ہیں، کہ کالی ہیں۔ کالی ہیں کہ بھوری ہیں۔ کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ دو سیماب صفت پتلیاں ہیں، جو آنکھوں کی سپیدی میں بہت بے چینی سے اِدھر اُدھر حرکت کرتی رہتی ہیں۔

اور پھر ان آنکھوں کے اوپر اُن کے ابرو ہیں۔ جن کا تعلق کسی اندرونی کمانی سے اُن کی پتلیوں سے ہے۔ یعنی یہ ابرو بھی اُن کی آنکھوں کی پتلیوں کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے رہتے ہیں۔ اوپر نیچے۔ دائیں بائیں۔ یہ ابرو ہر سمت ہر طرف

www.taemeernews.com

حرکت کر سکتے ہیں کبھی تو وہ قوس کی طرح خمیدہ نظر آتے ہیں اور کبھی خطِ مستقیم کی طرح سادہ۔ یہ ابرو کبھی تو شکستہ کرشلر کی مونچھیں دکھائی دیتے ہیں۔ اور کبھی پھیل کر سانپ کی کینچلی کی طرح نظر آتے ہیں اور سانپ اپنی کینچلی چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ ابرو کبھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔

ابروؤں سے اوپر مسٹر رام لبھایا کا ماتھا ہے۔ ماتھا کیا ہے اُن کی ہستی کا سمندر ہے۔ یہ سمندر کبھی تو بحرالکاہل کی طرح خاموش اور شانت نظر آتا ہے۔ کبھی اس میں مدوجزر اُٹھنے لگتے ہیں، کہ ماتھا لہروں سے معمور ہو جاتا ہے جنہیں عام طور پر لوگ شکنیں کہتے ہیں۔ مسٹر رام لبھایا کے ماتھے کی شکنیں بہت مشہور ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو ان کا حال معلوم ہے۔ مثال کے طور پر بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ جب اُن کے دونوں ابروؤں کے درمیان اک گہری شکن پڑتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دفتر میں اُن کی بے عزتی ہوئی ہے اور جب اُن کے ماتھے پر چار شکنیں نمودار ہوتی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت عشق کر رہے ہیں۔ جب تین شکنیں ہوتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ ڈھائی شکنیں ہوں تو سمجھ لیجئے کہ کسی الجھن میں گرفتار ہیں۔ اُسے حل کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ جب ماتھا بالکل صاف ہو وہاں ایک شکن بھی نہ ہو تو سمجھ لیجیے کہ کوئی دوست اُن سے قرض مانگ رہا ہے، اور وہ کہہ رہے ہیں کہ میری جیب خالی ہے۔

جو سیمابی کیفیت اُن کی آنکھوں میں موجود ہے وہ اُن کی گفتگو سے بھی ظاہر ہوتی ہے اُن کی گفتگو میں وقفے نہیں ہوتے جملوں میں فل سٹاپ نہیں ہوتے

www.taemeernews.com

لفظوں کی کمی نہیں ہوتی۔ یہ سب الفاظ اور جملے کمرے سے اوپر ایک دوسرے پر سیامی جُڑواں بچوں کی طرح جُڑے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ لگے جادوگر کے فیتے کی طرح اُن کے مُنہ سے نکلتے چلے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر انہیں یہ کہنا ہے "معاف کیجئے میں یہ پن یہاں سے لے کے منڈی چلا جاؤں"۔ تو وہ اسے اس طرح ادا کریں گے۔ معافکیجئیےمیںیہ پن لیکریہاں سےلیکےمنڈی جاؤں اس کے بعد آپ کیا کہیں گے؟

اور آپ کر بھی کیا سکتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے کہ آپ کچھ کہہ سکیں۔ وہ آپ کا پن لے کے اور "میں ابھی آیا" کہہ کے غائب ہو چکے ہوں گے۔ 'میں ابھی آیا' وہ دن میں اکثر کئی بار اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں اور اکثر ایسے موقعوں پر استعمال کرتے ہیں جب انہیں کہیں جا کے جلد واپس آنا نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر وہ یہی کہتے ہیں۔ اور اکثر چٹکی بجا کر کہتے ہیں 'میں ابھی آیا' اور اس کے بعد ایسے غائب ہوتے ہیں کہ گدھے کے سر پر سینگ تو دوبارہ آجاتے ہیں لیکن وہ نہیں آتے۔ اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے اُن کے بہت سے دوست مسٹر رام لبھایا کو 'مسٹر ابھی آیا' کہتے ہیں!

مسٹر رام لبھایا المعروف "ابھی آیا" نیو یارک ریڈیو کمپنی میں ملازم ہیں۔ یہ کمپنی نیو یارک میں نہیں ہے، دہلی میں ہے۔ لبھرہ کالونی دہلی میں ریڈیو، بیٹریاں مائیکرو فون۔ لاؤڈ سپیکر۔ ٹیپ ریکارڈز۔ پنکھے۔ دفتروں کے لئے انڈسٹی ٹیلیفون ایکسچینج وغیرہ اس قسم کی بہت سی چیزوں کے بیچنے اور کرایہ پر دینے کی بہت بڑی دُکان ہے جہاں مسٹر رام لبھایا دُوسرے پچیس ملازموں کے ساتھ کام کرتے

www.taemeernews.com

ہیں مسٹر رام لبھایا اس دکان پر یوں سمجھئے کہ تو محض اک کلرک بھرتی ہو کے آئے تھے لیکن آتے ہی انہوں نے ریڈیو۔ بیٹری۔ مائیکرو فون۔ لاؤڈ سپیکروں سے وہ چھیڑ چھاڑ شروع کی کہ تھوڑے ہی دنوں میں خود مائیکرو فون فٹ کرنے لگے۔ لاؤڈ سپیکر لگانے لگے۔ ٹیپ ریکارڈ چلانے لگے۔ پنکھے فٹ کرنے لگے۔ کلرک مستری۔ پیکینگ۔ مزدور سب کا کام خود کرنے لگے۔ دکان کا مالک سیٹھ بھگو رام بھگوانی ان کے کام سے، پھرتی سے اور مستعدی سے اتنا خوش ہوا۔ کہ تین سال کے عرصے میں اس نے ان کی تنخواہ اسّی سے بڑھا کر ایک سو پچیس کر دی۔ اور در اصل مسٹر رام لبھایا کو کام کرنے کا شوق بھی ہے اور اس قدر ہے کہ اگر کسی بیاہ شادی میں لاؤڈ سپیکر فٹ کرنے جائیں گے، تو نہ صرف لاؤڈ سپیکر فٹ کر کے گانے سنائیں گے بلکہ گانوں کے درمیان مختلف اعلان بھی کرتے جائیں گے۔ لطیفے بیان کریں گے۔ ہوتے ہوتے شامیانے۔ برات۔ گھر کے دروازے سے گزرتی ہوئی عورتوں کے لئے مفصّل ہدایات جاری کرتے جائیں گے۔ تھوڑی دیر میں آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اس گھر کے بڑے بزرگ اور برات کے دولہا مسٹر رام لبھایا ہی ہیں اور یہ جو لڑکے کا باپ ہے اور وہ جو اس کا ماموں ہے نرا چغد ہے۔ ان لوگوں کو کچھ آتا جاتا نہیں۔ اور اگر مسٹر رام لبھایا خوش قسمتی سے اپنا ریڈیو اور مائیکرو فون لے کے یہاں نہ آجاتے تو یہ شادی بھی نہ ہو سکتی تھی پھر اس قسم کا تاثر اتنی جلدی آپ پیدا کر لیتے ہیں، کہ یہ چند گھنٹوں کے بعد ہی آپ کو گھر کے اندر بلا لیا جاتا ہے جہاں آپ چند منٹوں ہی میں ماں جی۔ بہن جی موسی جی۔ چاچی جی۔ بھابی بھی بنا لیتے ہیں۔ اور پھر بڑے مزے سے عورتوں کے

www.taemeernews.com

درمیان بیٹھ کر ٹھنڈا شربت پیتے ہیں۔ رومال سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہیں۔ اپنی سیماب صفت پتلیوں کو خوبصورت لڑکیوں کے درمیان گھماتے جاتے ہیں! در تھوڑی دیر کے بعد جب شادی ہو جاتی ہے تو آپ سب سے پہلے اپنے بل کی رقم ماں جی سے وصول کرکے اور میں ابھی آیا کہہ کے ایسے غائب ہوتے ہیں کہ ماں جی پوچھتی ہیں وہ میرا بیٹا کہاں گیا۔ اور کب آئے گا۔ غالباً دوسری شادی پر!

لیکن ان تمام دل چسپ باتوں کے باوجود میرے لئے اور میری طرح سیٹھ بھگورام بھگوانی کی دکان پر کام کرنے والے دوسرے ملازموں کے لئے مسٹر رام سجانی کی ذات اتنی دل چسپ نہ ہوتی اگر ان دنوں ہمارے دفتر میں ایک نئی سیکرٹری ٹائیسٹ مس ڈیزی سوزیل نہ آجاتی۔ اس کے آنے سے ایسا معلوم ہوا جیسے ریڈیو، پنکھوں، مائیکروفونوں اور دیلوول سے بھری ہوئی دکان یکایک پھولوں سے لد گئی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی عورت کے آجانے سے ہماری دنیا میں بہار آجاتی ہے۔ چیزیں قرینے سے رکھی جانے لگتی ہیں۔ گفتگو میں گالی کا استعمال کم ہونے لگتا ہے۔ بے تحاشا قہقہے مہذب تبسم میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سندر لال جس کی پتلون کی کریز کبھی ٹھیک نہیں ہوتی تھی، اب ہر روز کیسی صاف ستھری تیز دھار والی پتلون پہن کر آتا ہے۔ اور محی الدین جو ہمارے مذاق کرنے کے باوجود ہر تیسرے دن ہی اپنی قمیص تبدیل کرتا تھا۔ اب ہر روز ایک نئی صاف ستھرے کالر والی قمیص پہن کر آتا ہے جس دن ڈیزی آئی۔ اس روز بازار سے کتنے ہی کنگھے خرید لے گئے۔ کتنے ہی گھروں میں قمیصوں اور پتلونوں پر استری ہوئی کتنی بار آئینے دیکھے گئے۔ تبل یا وڈر اور کریم۔ اور وہ ایک بے نام سی تھرتھرائی ہوئی خوشبو

www.taemeernews.com

جو ایک خوبصورت عورت کے تصور سے پیدا ہوتی ہے ، کتنے ہی دلوں کو لبھا گئی حسین عورت میں کیسا جادو ہوتا ہے۔ وہ جادو جو پھول میں نہیں ہوتا شفق میں نہیں ہوتا۔ آبشاروں کے گرنے اور ابابیل کے اڑنے اور بلبل کے چہکنے میں نہیں ہوتا۔ یہ ایسا کیسا جادو ہے۔ جب پھول کی مہک شفق کی موہنی۔ ابابیل کی پرواز آبشار کی چال اور بلبل کی آواز ایک ہی ہستی میں سمٹ کر آجاتی ہے۔ اس طرح جب وہ ہنستی ہے تو اس کا نقرئی قہقہہ ابابیلوں کی طرح فضا میں پرواز کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جب وہ چلتی ہے تو سفید ساڑی کا گرتا ہوا پلّو آبشاروں کی یاد دلاتا ہے اور جب وہ تمہارے قریب سے گذر جاتی ہے تو ہزاروں پھولوں کے تختے کے تختے تمہارے رگ و پے میں کھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہیئے لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے ؟

پتہ نہیں مسٹر رام لبھایا نے یہ سب کچھ کہاں تک محسوس کیا لیکن ڈیزی کی آمد سے ایسا ضرور معلوم ہوتا تھا ، جیسے رام لبھایا کے اندر کی مشینری زیادہ چارج کر دی گئی یا اُن کے جسم کے اندر برقی دباؤ یکایک بڑھ گیا ہے۔ وہ اس طرح بار بار اُچک رہا تھا۔ پھاند رہا تھا۔ دکان کے اس کونے سے اُس کونے تک اپنے تیز تیز لہجے میں باتیں کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ جیسے اس کی ٹانگوں میں برقی دیوتا کے پر لگ گئے ہوں۔ اُس روز اس کی ہر حرکت جنسِ نازک کو اپنی طرف مائل کرنے پر مائل تھی۔ وہ اپنے امرود سے چہرے پر اپنے ٹماٹر کے سے ہونٹوں سے ہنستا ہوا بار بار ڈیزی کی میز سے گذرا۔ اور اس وقت تک اُسے چین نہ آیا جب تک اُس نے کسی انڈینٹ یا انوائس یا کسی الّم غلّم بل کے سلسلے میں ڈیزی سے بات نہ کر لی۔

www.taemeernews.com

"مسجیا پکیتوں"

"بگ یور پارڈن" ڈیزی حیرت سے بولی۔

ایک لمحے کے لئے تو رام لبھایا بھی چکرا گیا۔ پھر یکایک اسے خیال آیا کہ وہ بہت تیزی سے بات کر رہا ہے۔ اس لئے اب اس نے آہستہ آہستہ رُک کر اپنی فطرت کے خلاف اس فقرے کو یوں ادا کیا "مس صاحب میں آپ سے یہ کہتا ہوں ..... "چلئے انٹروڈکشن تو ہو گئی۔ دکان میں کچھ دیر تک سکون اور آرام سے کام ہوتا رہا لیکن لنچ کے قریب مسٹر رام لبھایا نے پھر اسی طرح بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ جیسے پروانہ شمع کے گرد رقص کرتا ہے۔ رقص کے گھیرے چھوٹے ہوتے گئے چھوٹے ہوتے گئے۔ آخر گھوم گھام کے ڈیزی کی میز کے پاس رُک گئے۔ ڈیزی کے کانوں میں آواز آئی۔

"مسجیا پنچلیکھائیں گی؟"

ڈیزی نے اپنی گھومتی ہوئی پلکیں اُٹھا کر اپنی بڑی بڑی روشن آنکھوں سے مسٹر رام لبھایا کی طرف اس طرح دیکھا۔ کہ وہ بے چارہ اپنی ساری سسّی بدّھی بھول گیا۔

ڈیزی نے اسی طرح نیم تبسم لہجے میں پوچھا "بگ یور پارڈن؟"

"مس صاحب آپ لنچ کہاں کھائیں گی؟" رام لبھایا نے پھر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے بہت ہی قریب میں ایک بہت ہی سستا لنچ مع سویٹ ڈش آٹھ آنے نو پائی ہیں گویا کہ ....."

خیر جی۔ جو کچھ بھی ہو۔ وہ لنچ سستا تھا یا مہنگا۔ یہ ہم سب خوب جانتے تھے

www.taemeernews.com

کہ قریب کے ریستوران ٹٹ بٹ میں لنچ ساڑھے بارہ آنے سے کم میں نہیں ملتا ہے۔ رام لبھایا آٹھ آنے تو یائی ڈیزی سے دلوائے گا۔ بقیہ رقم اپنی جیب سے ڈالے گا اور ڈیزی کو لنچ کھلائے گا۔ یونہی ہوتا ہے ہر جگہ۔ ساری دُنیا میں یونہی ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مقصد رام لبھایا کا ڈیزی کو لنچ کھلا کر رام کرنے کا تھا۔ وہ پُورا ہو گیا۔ جب وہ دونوں لنچ کھا کے ریستوران سے لوٹے، تو بالکل بھائی بہنوں کی طرح بات کر رہے تھے۔ ڈیزی حسین ہونے کے باوجود دل کی بُری نہیں تھی۔ جیسے اکثر حسین لڑکیاں ہوتی ہیں۔ بے چاری اپنی خوبصورت فراک۔ خوبصورت چہرے اور خوبصورت جسم کے باوجود بالکل بھولی اور معصوم تھی۔

بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ لڑکیاں جو لبوں پر لپ سٹک، رخساروں پہ غازہ اور گفتگو میں انگریزی استعمال کرتی ہیں۔ بڑی خرافہ ہوتی ہیں لیکن یہ خیال کچھ زیادہ صحیح نہیں ہے۔ میں نے اپنے خالص ہندوستانی گھروں میں ایسی پیچ در پیچ تہہ دار گہری شخصیت والی لڑکیاں دیکھی ہیں، کہ اگر فرائیڈ بھی ان کا مطالعہ کرے تو دوسرے ہی دن غش کھا کر گر پڑے۔ جی۔ کیا سمجھا ہے آپ نے۔ اور یہ سب بے چاری دفتروں کی ڈیزی۔ پھنیری۔ روزی ہوتی ہیں۔ اپنی چلت پھرت کے باوجود نہایت ہی سادہ شخصیت والی۔ نادان بلکہ احمق ہوتی ہیں۔ بہت جلد اعتبار کر لیتی ہیں۔ دل دے بیٹھتی ہیں۔ اور پھر ایک دن روتی ہوئی گرجا کی بجائے ہسپتال پہنچ جاتی ہیں۔ اچھی غریب۔ بے کس اور معصوم اداؤں والی یہ لڑکیاں ہوتی ہیں جی۔ کیا سمجھا ہے آپ نے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ڈیزی بھی ایسی بے وقوف تھی۔ یقیناً وہ ایسی نہیں تھی لیکن وہ سیدھی سادی اپنا کام مستعدی سے کرنے والی ہنس مکھ لڑکی ضرور تھی۔ وہ چالاک

www.taemeernews.com

نہیں تھی لیکن صاف دِل ضرور تھی۔ جو بات اُس کے دِل میں ہوتی صاف صاف سب سے کہہ دیتی یعنی وہ بات جس کا ہمارے درمیانی درجے کے معاشرے کے افسانے میں کہیں ذکر نہیں ہوتا مگر زیرِ لب۔ زیرِ احساس اور بین السطور پر گفتگو میں ہر لمحہ محسوس ہوتا رہتا ہے۔ وہ اس بات کو چھپانے کے حق میں نہیں تھی مسٹر رام لبھایا کو بہت حیرت ہوئی۔ جب تین دن لنچ کھلانے کے بعد اور ایک شام سنیما دکھانے کے بعد اُس نے ڈیزی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا تو ایک زور کا طمانچہ اُس کے رُخسار پر پڑا۔ بس اس کے بعد کچھ نہیں ہوا۔ نہ ڈیزی نے اس سے آگے کچھ کہا۔ نہ مسٹر رام لبھایا اس سے آگے کچھ بڑھا۔ بات وہیں کی وہیں رُک گئی۔ یہ بات بھی نہیں ہے، کہ ڈیزی کچھ خفا ہوئی ہو۔ دُوسرے دن دفتر میں اُس نے رام لبھایا سے بات نہ کی یا اس کے ساتھ لنچ نہ کھایا۔ یا پھر ایک ہفتے کے بعد اُس کے ساتھ سنیما نہ دیکھا ہو۔ ایسی کوئی خلافِ توقع بات نہیں ہوئی۔ یُوں بس اتنی سی بات ضرور ہوئی کہ اُس نے رام لبھایا کے اُچکنے پھاندنے والی محبت کو راستہ دکھا دیا اس کی حدیں مقرر کر دیں۔ اُسے شرافت کے ترازو میں ڈال کر ایک پلڑے میں محبت کو رکھ کر دُوسرے پلڑے میں شادی کو رکھ دیا اور اب وزن برابر ہو گیا۔ اور مسٹر رام لبھایا کو معلوم ہو گیا کہ اس کی محبت جب تک دھرم کے کانٹے پر نہ تلے وہ اس کی ڈیزی اُسے کبھی نہیں مل سکتی۔ یعنی جس طرح سے وہ اُسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یا جس طرح سے اُس نے سُنا تھا، کہ ایسی لڑکیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور جب وہ یہاں تک پہنچا۔ تو اُس کے ماتھے پر چینتی شکن نمودار ہوئی۔ اور اُسے محسوس ہوا۔ کہ اُسے ڈیزی سے عشق ہو گیا ہے۔ اِس جذبۂ لطیف کا احساس اگر اُسے کبھی با یچے

www.taemeernews.com

میں کسی فٹ پاتھ پر سیر کرتے ہوئے۔ یا ڈیزی کے ساتھ سنیما دیکھتے ہوئے ہوتا تو وہ فوراً اس کا اظہار کر دیتا۔ لیکن اس کا احساس اُسے دفتر میں بیٹھے بیٹھے اچانک ہوا۔ جب وہ ایک ٹیپ ریکارڈر کو دُرست کر رہا تھا۔ اُس نے بہت مضطرب اور بے چین نگاہوں سے ڈیزی کی جھکی ہوئی آنکھوں اور گھومتی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا۔ لیکن دُکان میں وہ اظہارِ عشق نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں ریڈیو اور پنکھے مائیکرفون اور بیٹریاں بجلی کے تار اور سوئچ تھے۔ اور وہ اس وقت اس سے محبّت کی بات کیسے کرتا۔ مگر کیوں نہ کرتا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے سامنے مائیکرفون رکھ کر کھڑا ہو جائے اور ساری دُنیا میں اعلان کرے :۔

"ہلو! ہیلو۔ کالنگ ایوری باڈی۔
سُنو۔ مجھے ڈیزی سے عشق ہو گیا ہے!
سُنو۔ مجھے ڈیزی سے عشق ہو گیا ہے!!"

اور عین ممکن تھا کہ وہ اپنی سیمابی فطرت سے مجبور ہو کر ایک مائیکروفون اُٹھا کر اس کا اعلان بھی کر دیتا۔ لیکن عین اُسی وقت سیٹھ بھگو رام بھگوانی ایک دُبلی پتلی سانولی لڑکی کے ساتھ دُکان میں داخل ہوا۔ اور آتے ہی رام لبھایا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "مسٹر رام لبھایا تم جلدی سے آپ کے ساتھ، یہ میری بھانجی ہے نرملا کے ساتھ جاؤ۔ ان کے کالج میں آج ڈرامہ ہے وہاں مائیک اور لاؤڈ اسپیکر سب فٹ کرنے ہوں گے۔ جلدی جاؤ۔ بل لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ چار مائیک لے جاؤ اور چھ لاؤڈ اسپیکر جلدی کرو۔"

لوگ کہتے ہیں کہ مجنوں بہت بڑا عاشق تھا۔ لیکن لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ

www.taemeernews.com

مجنوں کو عشق کرنے کے لئے کئی آسانیاں فراہم کردی گئی تھیں۔ لیلیٰ اپنے محل میں تھی اور مجنوں صحرا میں تھا۔ جہاں اس کے چاروں طرف ریت کے ٹیلے تھے۔ اور چٹانیں تھیں۔ جنگل تھے اور جنگل کے وحشی ہرن تھے۔ جن کے سامنے وہ چٹانوں پر سر پٹختا تھا اور چیخ چیخ کے میری لیلیٰ میری لیلیٰ کہتا تھا۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مجنوں کسی دفتر میں نوکر نہیں تھا۔ آج کل کے رام لبھایا کو عشق کرنے میں کتنی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اس کے پاس نہ صحرا ہے۔ نہ جنگل ہے۔ دفتر کی میز کرسیاں ہیں۔ ہرن صرف چڑیا گھر میں ملتے ہیں۔ اور لیلیٰ کسی محل میں نہیں ہوتی۔ اکثر سامنے میز پر دھری ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر عشق کا اظہار کرنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے

مسٹر رام لبھایا نے بھی اس وقت کچھ ایسی مجبور نگاہوں سے اپنی ڈیزی کی طرف دیکھا اور پھر مائیکروفون لاؤڈ اسپیکر اٹھائے مزدوروں کو ساتھ لے کر سیٹھ کی بھانجی کے ساتھ چلا گیا اور چلتے چلتے ڈیزی سے کہہ گیا۔

"میں ابھی آیا"

اس روز ڈیزی کے ہاں ایک خاص دعوت تھی جس میں ڈیزی نے مجھے۔ محی الدین۔ شام لال اور مجمن مستری کو بلوایا تھا۔ رام لبھایا تو خیر وہاں پر تھا ہی۔ ہم لوگوں نے بھی ڈیزی اور رام لبھایا کی محبت کو زہر مار کر لیا تھا۔ اب ہمارے دفتر کے بابوؤں کے بال پھر الجھے الجھے رہنے لگے۔ کنگھے ٹوٹ گئے۔ پتلونوں میں اب وہ کریز نہ رہی۔ بالوں میں تیل اور لباسوں میں خوشبو نہ رہی محی الدین پھر میلی میلی قمیص پہن کر آنے لگا۔ کیونکہ گزشتہ چھ مہینوں میں ہماری سب کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ ڈیزی اور رام لبھایا کی دوستی بدستور قائم تھی۔

www.taemeernews.com

بلکہ اب تو معاملہ کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے رام لبھایا اب ڈیزی سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو رہا ہے۔ ڈیزی کی محبت میں وہ اب اس منزل پر آتا ہوا معلوم ہوتا تھا، جہاں وہ اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف ڈیزی سے سول میرج کر لے گا۔ اس کے ماں باپ بہت پرانے کٹر خیالات کے تھے جن کے خلاف اب اس کا جذبۂ بغاوت ابھرتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اپنی گفتگو میں وہ اکثر اس طرف ہلکے سے ہلکے اشارے کرتا تھا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی جرأتِ شوق میں ذات پات، اور سماج کی بلند و بالا دیواروں کو پھاند جائے گا۔ ہم لوگ تو ایسا کر ہی نہ سکتے تھے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے گھروں، چھوٹے چھوٹے دفتروں، چھوٹے چھوٹے گھروندوں میں بندھے ہوئے انسان تھے۔ جو لوگ دن بھر دفتروں کے گرد کولھو کے بیل کی طرح طواف کرتے تھے اور رات کے وقت اپنے گھر کی ناند میں منہ مار کر چارہ کھا کر خوشی سے دُم ہلا کر جگالی کرتے تھے اور پھر سو جاتے تھے۔ آزادی کیا ہوتی ہے عشق کسے کہتے ہیں فضا کیسے مہکتی ہے تارے کیسے یکایک کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں۔ ہمارے ذہنی اُفق کے اندھیرے میں ان باتوں کا گذر نہ تھا۔ اس لئے ہم لوگ ڈیزی کی دعوت پر گئے اور جب ہم نے ڈیزی کو اور مسٹر رام لبھایا کو کاغذی پھولوں اور رنگین غباروں سے سجے ہوئے کمرے میں پُر تکلف لباس پہنے ہوئے دیکھا، تو حسد اور رشک کے ملے جلے جذبات سے ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔

"کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟" شام لال نے گھبرا کر پوچھا۔

رام لبھایا نے ہنس کر کہا "ہوئی نہیں ہے آج ہونے والی ہے اس لئے

www.taemeernews.com

تم لوگوں کو بلایا ہے۔ یہاں سے تم لوگ ہمارے ساتھ سول میرج کے رجسٹرار کے دفتر میں چل کر ہماری شادی کراؤ گے اور ہمارے کاغذات پر گواہی کے دستخط کرو گے"۔

" اور تمہارے ماں باپ ؟" میں نے پوچھا۔

رام لبھایا نے کہا "میں نے انہیں نہیں بتایا۔ تم چار دوستوں کے سوا یہ بھید ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے"۔ ڈیزی بولی "اس وقت ساڑھے بارہ ہیں۔ رجسٹرار کے ہاں تین بجے پہنچنا ہے۔ میرے خیال میں آپ کھانا کھا لیں"۔

ڈیزی نے بہت عمدہ کھانا تیار کیا تھا۔ اور ہم لوگ بہت عمدہ طریقے سے اس کے تیار کئے ہوئے کھانے کی تعریف کرتے رہے۔ کھانے کے دوران میں ایک لڑکا مسٹر رام لبھایا کے لئے ایک خط لے کے آیا جس کے پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ رام لبھایا کے ماتھے کی شکنیں چار سے ڈھائی ہو گئی ہیں اور وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آتا ہے۔ یوں وہ برابر ہنستا رہا لیکن جانے کیوں اس کے بعد مجھے اس کی ہنسی پھیکی اور مجبور سی معلوم ہوتی رہی لیکن یہ خیال جلد ہی کھانے کی دلچسپ باتوں اور شادی کی تیاریوں میں غائب ہو گیا۔

کھانا کھا کے ڈیزی لباس تبدیل کرنے کے لئے اندر چلی گئی۔ محی الدین نے ریڈیو چھیڑ دیا اور خمین خلال کرنے لگا۔ اتنے میں ڈیزی نے اندر سے آواز دی۔

" ڈارلنگ تم اتنے میں بھاگ کے ٹیکسی تو لے آؤ"

" ایک میں کیسے جائیں گے۔ چھ آدمی ہیں"۔ میں نے کہا۔

" تو دو لے آؤ"۔ ڈیزی اندر سے بولی "مگر دیکھو جلد لے کے آؤ۔ وقت قریب آرہا ہے"۔

www.taemeernews.com

"ابھی آیا۔ ڈارلنگ!"

دو بج گئے۔ ڈھائی بجے۔ پھر تین بجے لیکن رام لبھایا واپس نہیں آیا پھر چار بجے۔ ہم نے آس پاس کے سب ٹیکسی اسٹینڈ دیکھ ڈالے۔ رام لبھایا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دفتر میں ٹیلیفون کیا۔ وہاں پر بھی رام لبھایا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ رجسٹرار کے دفتر میں ٹیلیفون کیا۔ لیکن رام لبھایا وہاں ڈیزی کے بغیر کیسے جا سکتا تھا۔ پولیس اسٹیشنوں پر اور ہسپتالوں میں بھی ٹیلیفون کئے گئے، کہ ممکن ہے کوئی حادثہ ہو گیا ہو لیکن رام لبھایا جو خود ایک بہت بڑا حادثہ ہے اُسے کوئی حادثہ کیسے پیش آسکتا ہے۔ رات کے دس بجے تک ہم نے رام لبھایا کے لئے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن رام لبھایا نہ ملا۔

ڈیزی پریشان ہو کے رونے لگی۔

رات کے دس بجے جس وقت ڈیزی پریشان ہو کے رو رہی تھی۔ رام لبھایا دُولھا کا سہرا باندھے اپنے ماں باپ کی معیت میں مس نرملا سے شادی کرنے سیٹھ بھگو رام بھگوانی کے گھر جا رہا تھا۔ ہوا یہ تھا، کہ جن دنوں وہ ڈیزی سے محبت کر رہا تھا۔ انہی دنوں اُس نے سیٹھ کی اکلوتی بھانجی سے بھی اظہار عشق کر دیا تھا کیونکہ آج کل زندگی اتنی ناپائیدار اور غیر محفوظ ہے یعنی کچھ ایسی غیر مستحکم حالت میں ہے کہ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ ملک قوم۔ ایمان۔ روزگار کسی کا کچھ پتہ نہیں ملک تقسیم ہو جاتے ہیں۔ قومیں بٹ جاتی ہیں۔ ایمان بدل جاتے ہیں ایسے زمانے میں کوئی محض عشق پر بھروسہ کرے تو کیسے کرے۔ اِس لئے رام لبھایا نے دو عشق کر لئے تھے۔ کہ اگر ایک فیل ہو جائے تو دوسرا محفوظ رہے گا۔ شروع شروع میں ڈیزی نے انکار کیا تھا لیکن آخر میں وہ راضی ہو گئی۔ اور شادی کے لئے تیار ہو گئی

www.taemeernews.com

اِس اثنا میں رام لبھایا برابر دُوسری لڑکی سے عشق کرتا رہا۔ وہ لڑکی سیٹھ کی اکلوتی بھانجی تھی اس لئے انکار کرتی رہی لیکن جب اُسے پتہ چلا کہ رام لبھایا سچ مچ ڈیزی سے شادی کر رہا ہے تو اُس نے گھبرا کر رام لبھایا کو "ہاں" کا خط لکھ دیا۔ جو شادی کی دعوت کے رُقعہ ہمارے سامنے اُسے ملا۔ اب رام لبھایا کو بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ ایک طرف ڈیزی تھی۔ خوبصورت دلرُبا۔ اُس کی محبُوبہ۔ دُوسری طرف نرملا تھی۔ دُبلی پتلی۔ سانولی لیکن سیٹھ کی بھانجی۔ رام لبھایا نے دونوں کو ترازو میں ڈالا۔ ایک پلڑے میں ڈیزی کو رکھا دُوسرے میں نرملا کو۔ ڈیزی کا پلڑا بھاری تھا۔ یکایک سیٹھ نے اپنا سارا بوجھ نرملا کے پلڑے میں رکھ دیا اور ترازو ٹوٹ گئی۔ ...

رام لبھایا نے نرملا سے شادی کر لی ہے وہ آج کل ہمارے دفتر میں ہیڈ کلرک ہے۔ سیٹھ اس سے بہت خوش ہیں۔ اور اُسے اپنی دکان کا حصّہ دار بنانے کی سوچ رہے ہیں۔

اُدھر ڈیزی نے بھی ملازمت ترک کر دی ہے اور ایک معمر اینگلو انڈین سے شادی کر کے ایک خوبصورت بنگلہ میں رہتی ہے۔

اب سب ٹھیک ہے۔ دھرم۔ دفتر۔ سماج۔ سب ٹھیک ہے۔ صرف مجنوں جنگل میں اکیلا ہے .....

✱

www.taemeernews.com

ڈُوڈُو

لالہ بھولا رام کے سر پر اُن کی خاکستری پگڑی اتنی چھوٹی، گھُٹی اور چپکی ہوئی تھی جیسے کسی نے چھ جُوتے مار کر سر سے چپکا دی ہو۔ اُن کے چلنے کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا یعنی اس طرح شانے سکوڑ کے، گردن دبا کے، ایڑیاں اُٹھا کے، ڈرے ہوئے چُوہے کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جلدی جلدی چلتے تھے، جیسے ابھی ابھی کہیں سے پٹ کے آرہے ہوں۔ اور اگر کسی نے اِنہیں ڈرانے کے لئے یُوں ہی "ہاؤ" کہہ دیا تو فوراً سرک سے سرک کر کسی بِل میں گھُس جائیں گے۔ لالہ بھولا رام کا چہرہ لمبوترا، آنکھیں چھوٹی اور کان بڑے بڑے تھے۔ شکل و صُورت سے وہ آدمی کم اور خرگوش زیادہ معلُوم ہوتے تھے۔ چہرے پر خرگوشوں کی سی سہمی ہی کیفیت موجُود تھی جیسے کچھ

www.taemeernews.com

از راہِ ہمدردی مصنوعیت سے تعبیر کر دیتے تھے۔

لالہ بھولا رام جب تک بچے دُوسروں کی تحویل میں بچے۔ اُن کی ماں بہت بچپن میں مر چکی تھی اس لئے انہیں معلوم نہیں تھا کہ ماں کی گود کیا ہوتی ہے، اُس کی نگاہوں کی مٹھاس کیا ہوتی ہے، اُس کی باہوں کی ممتا کیا ہوتی ہے۔ وہ تو اپنے باپ کی مضبوط اکھڑ شفقت میں پلے تھے اور زندگی بھر اُن کی ڈانٹ کھاتے رہے جب باپ دمے سے مر گئے تو چھوٹے بھائی نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا اور اُس وقت تک انہیں ڈانٹ پلاتا رہا جب تک وہ خود فوج میں ملازم ہو کر برما نہیں چلا گیا۔ چھوٹے بھائی کے جانے کے بعد وہ اپنی بڑی بہن کی تحویل میں آئے اور اُسی طرح ڈانٹ کھاتے رہے اور اُسی طرح اپنی ساری تنخواہ دفتر سے لا کر اُس کے ہاتھوں میں دیتے رہے اور چائے کی ایک پیالی کے لئے ترستے رہے۔ بہت مشکل سے اُن کی بڑی بہن نے محلے کے ایک اوباش لیکن امیر بنیئے سے آشنائی کی اور جب اِس رنگین کھیل کی تعبیر ظاہر ہونے کو ہوتی تو پولیس اور عدالت میں جانے کی دھمکی دے کر اُس سے شادی کر لی اور شادی کرنے کے فوراً بعد ہی بنیئے سے محلہ چھڑا کر قرول باغ کی ایک کوٹھی میں اُٹھ گئی۔ بہت سمجھدار عورت تھی۔

بڑی بہن کے چلے جانے کے بعد بھولا رام کو کچھ ایسا معلوم ہوا جیسے آزادی کے بعد ہندوستان! گھر میں کوئی ڈانٹنے والا، تنخواہ سنبھالنے والا نہ رہا، تو پہلے چند روز تو بھولا رام بہت کھویا کھویا سا مغموم سا رہا کہ وہ اس آزادی کا کیا کرے اب تک اس کی زندگی دفتر اور گھر کے ایسے مضبوط کھونٹوں سے بندھی ہوئی تھی کہ

www.taemeernews.com

اُسے اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا تھا کہ زندگی کسی دُوسری طرح کی بھی ہو سکتی ہے۔ اب یکایک یہ سارے کھونٹے ایک ایک کرکے ٹوٹ گئے تو بھولا رام کو ایسا محسوس ہُوا کہ زندگی کا توازن بگڑ گیا اور وہ لنگر جس سے اس کی کشتی زندگی کی بندرگاہ میں لنگر انداز تھی یکایک ٹوٹ کر سمندر میں بہہ گیا اور اب وہ طوفانی لہروں پر بالکل بے سہارا ڈول رہا تھا۔ اس بے بسی کے عالم میں اُس نے عالمِ خیال میں اپنی بڑی بہن کی طرف دیکھا، اپنے چھوٹے بھائی کی طرف نگاہ دوڑائی، اپنے مرحُوم باپ کی تصویر کی طرف دیکھا جو اُس کی بیٹھک میں تھی۔ اُس نے اپنے ذہن میں اُن لوگوں کو واپس بلانے کے لئے آوازیں دیں جیسے آج بھی بہت سے لوگ انگریزوں کو واپس بُلانے کے لئے سوچتے ہیں لیکن جب اُسے کہیں سے کوئی سہارا نہ ملا تو وہ بالکل مجبور اور بے بس ہو کر بیٹھک کے تخت پوش پر بیٹھ کر رونے لگا۔ وہ اس لئے نہیں رو رہا تھا کہ وہ لوگ چلے گئے تھے بلکہ اس لئے کہ آج اُسے ڈانٹنے والا کوئی نہ رہا تھا۔

یہ تو پہلے دو تین دنوں کی بات تھی۔ آہستہ آہستہ وہ اپنے ہاتھوں سے چائے تیار کرنے لگا، اور گھر کی خاموش فضا سے مانوس ہوتا گیا۔ کبھی کبھی اُس کے کان بج اُٹھتے اور وہ "جی میں آیا" کہہ کر اپنے کمرے سے آنگن کی طرف بھاگتا۔ یہ سوچ کر کہ شاید اُس کی بڑی بہن نے اپنے کرخت اور درشت لہجے میں اُسے پکارا ہے لیکن جب آنگن میں کسی کو نہ پاتا تو خود ہی اپنے واہمے پر شرمندہ ہو کر واپس اندر چلا آتا۔ آہستہ آہستہ اُسے خود سے کھانا پکانا آ گیا۔ سُوئی میں تاگا ڈال کے بٹن لگانا آ گیا۔ اب اُسے اپنی آزادی میں تھوڑا سا مزہ آنے لگا، اک عجیب ہلکا سا لطف

www.taemeernews.com

جیسے تازہ چائے پینے میں ہوتا ہے یا صبح کی سیر میں ہوتا ہے یا کڑاکے کی سردی میں آنگن میں کرسی ڈال کے دھوپ سینکنے میں ہوتا ہے۔ اس کی روح کے مسام آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ پہلی تاریخ کو جب اسے یہ محسوس ہوا کہ اس مہینہ کی پوری تنخواہ اس کی اپنی جیب میں رہے گی، اور اسے ہر روز اٹھنی مانگنے کے لئے کسی باپ بھائی یا بہن کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا تو اس کے پژمردہ مغموم ہونٹ مسرت سے کھلنے لگے۔ یہ مسکراہٹ ہونٹوں سے چلی، رخساروں پہ پھیلتی ہوئی آنکھوں کے کونوں تک پہنچ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی خشک، ریتلی زندگی کا دروازہ مسرت میں ڈوب گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی جیب میں اتنے روپوں کے بوجھل احساس سے گھبرا گیا۔ اس نے چپکے سے گھر کے سارے کواڑ اور کھڑکیاں بند کر کے روپوں کو ایک خفیہ کونے میں رکھ دیا اور وہاں سے ایک اٹھنی نکال لی، اور دبے پاؤں آنگن میں آکر چائے بنانے لگا۔ کہیں کسی نے دیکھ نہ لیا ہو۔ یکایک ایک کھڑکا سا ہوا اور چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی باہر کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی ہوگا۔ فوج سے چھٹی لے کے آگیا ہوگا۔ شاید اس کی بڑی بہن تھی، بہنوئی سے لڑ کر واپس آرہی ہوگی۔ ایک عجیب عالم میں اس نے دروازہ کھولا۔ بھنگن تھی، جھاڑو دینے آئی تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور سارے دروازے اور کھڑکیاں کھول کر وہ پھر کچن میں آبیٹھا اور ہولے ہولے گنگناتے ہوئے چائے بنانے لگا۔ اسے اپنے گنگنانے پر بہت حیرت ہوئی کیونکہ اس سے پہلے اس نے کبھی اپنی آواز ہی نہیں سنی تھی، اسے کبھی معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ گنگنا بھی سکتا ہے، مسکرا بھی سکتا ہے، بغیر ڈانٹ کھائے چائے کا پیالہ توڑ سکتا ہے۔ یکایک اس کا دل ایک

www.taemeernews.com

عجیب خود اعتمادی سے سرشار ہو گیا اور اُس کا جی چاہا کہ وہ کسی سے محبت کرے۔ کسی سے چُھپ کے محبّت کرے، سب کی نظروں سے بچ کے محبت کرے یعنی کوئی اُسے نہ دیکھے اور وہ محبت کرلے، کرتا ہی جائے اور کسی کو پتہ نہ چلے۔ ایسی چھوٹی مُوٹی سی نازک شاعرانہ شرمیلی محبت ہو اُس کی کہ کسی کی نظر پڑتے ہی آپ ہی آپ سیپی بند ہو جائے۔ بند سیپی کی طرح محبت کے موتی کو اپنے دِل میں چُھپائے ہوئے ایسی محبت کا وہ حامی تھا لیکن حالات نے اُسے پنپنے نہ دیا۔ پہلے باپ تھا پھر چھوٹا بھائی تھا۔ پھر بڑی بہن تھی۔ جب وہ جوان تھا تو وہ آزاد نہیں تھا۔ اب آزادی آئی تو جوانی چلی گئی۔ اب وہ اڑتیس برس کا تھا۔ اب وہ اپنی خاکی پگڑی اُتار کے اپنے سر پہ ہاتھ پھیرتا تو مرکز میں گنجی ہوتی ہُوئی چندیا کا بڑھتا ہُوا دائرہ محسُوس کرنے لگتا۔ ہونہہ۔ لیکن عُمر سے کیا ہوتا ہے۔ کیا ادھیڑ آدمی کو محبّت کرنے کا حق نہیں ہے۔ اُس نے پنجرے کے طوطوں کو محبت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ تو اپر ڈویژن کلرک ہے اور کامرس کے محکمے میں عارضی نہیں مستقل آسامی پر نوکر ہے وہ کیوں محبت نہیں کرسکتا۔ اس کے دل و دماغ میں۔ ایک عجب باغیانہ ساجذبہ مچلنے لگا۔ دُوسرے دن وہ بازار گیا اور سیکنڈ ہینڈ کوٹوں کی دوکان سے ایک عُمدہ ساکوٹ خرید کے لایا۔ اپنی خاکی پگڑی بھی اُس نے اُتار کے الگ رکھ دی اور اُس کی جگہ ایک عمدہ ململ کی جوگئے رنگ کی پگڑی باندھی۔ نئے جُوتے، نئے پاجامے، کُرتے اور جوگئے رنگ کی پگڑی کے ساتھ جب وہ اپنے کمرے سے نکلا تو اُس کے سکڑے ہوئے شانے خود بخود پھیل گئے اور دبی ہُوئی گردن ایک پُر وقار انداز میں اُوپر اُٹھ گئی۔ آج بھولا رام ساری دُنیا کے سامنے اعلانِ محبت

www.taemeernews.com

کر رہا تھا، گو ابھی تک محبوب کا کوئی پتہ نہ تھا۔

محلے میں چھوٹے چھوٹے بہت سے گھر تھے۔ اُس کے گھر سے ملا ہوا ڈی سی رائے کا گھر تھا جس کے برآمدے میں ٹنگے ہوئے پنجرے میں ایک طوطا اور طوطی ایک دُوسرے سے عشق کیا کرتے تھے۔ بھولا رام نے آج اُن کی طرف بہت پُرمعنی انداز میں دیکھا اور پھر جلدی سے اپنی نگاہیں چُرالیں کہیں یہ جانور اِس کے دِل کا حال نہ جان جائیں۔ کم بخت یہ طوطے بہت شریر ہوتے ہیں۔ اور رائے بابو کا طوطا تو بہت شریر تھا۔ آج جانے کیوں چُپ رہا تھا ورنہ وہ اکثر بھولا رام کو سامنے سے گُزرتے ہوئے دیکھ کر چِلّا کر کہہ دیا کرتا تھا ——— "بھولا رام دُودُو! بھولا رام دُودُو!" ہوتے ہوتے یہ نام محلے میں اتنا پاپولر ہوا تھا کہ لوگ بھولا رام کو اپنی گفتگو میں صرف دُودُو کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ دفتر کے بابو بھی اب تو اُسے اکثر کہہ دیتے یار دُودُو یہ دو فائلیں تو دیکھ لو اور بھولا رام کسی کا اب بُرا نہیں مانتا تھا۔ دراصل بُرا ماننے کی صلاحیت ہی اُس میں ختم ہو چکی تھی۔

لیکن آج جب طوطے نے اُس کا نام نہیں پکارا نہ اُسے دُودُو کہا تو وہ بہت خوش ہوا اور ایک اُڑی سہمی ہوئی مُسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں پر لئے ہوئے محلے میں سے گزر گیا، ڈی۔سی رائے کے گھر سے گزر گیا، جیون داس سرودیا کے گھر سے گزر گیا جو پھلوں کی تھوک تجارت کرتا تھا، سردار وکرم سنگھ اوورسیر کے گھر سے گزر گیا۔ لالہ مانک داس مانکتالہ کے گھر سے گزر گیا جس کی دو لڑکیاں کالج میں پڑھتی ہیں اور اب وہ دونوں کالج جانے کے لئے تیار گھر سے باہر کھڑی تھیں لیکن انہوں نے بھولا رام کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اور پھر دینا ناتھ اوپادھیائے

www.taemeernews.com

کا گھر بھی گزر گیا جس کے گھر میں اُس کی بدصورت لڑکی تیس برس سے بن بیاہی بیٹھی تھی۔ اُما ..... وہ اُما کو آج دیکھنا چاہتا تھا، دیکھنا نہیں اپنے آپ کو دکھانا چاہتا تھا۔ سانولے رنگ کی تیس برس کی موٹی بھدّی اُما یکایک اُس کے ذہن میں روشنی کا ہالہ لئے ہوئے آگئی۔ وہ صبح کو اِس وقت اپنے گھر کے برانڈے کے فرش کو گیلے کپڑے سے صاف کرتی ہوئی دکھائی دے جاتی تھی۔ وہ آج اُسے اپنے مور کے پنکھ دکھانا چاہتا تھا۔ اپنی جوگیا پگڑی، امریکن کوٹ اور نیا براؤن جوتا چرر چرر کرتا ہوا، اعلان کرتا ہوا بھولا رام ڈوڈو آرہا ہے بھولا رام ڈوڈو آرہا ہے!

لیکن آج بھی اُما حسبِ معمول اپنے برآمدے میں بیٹھی گیلے کپڑے سے فرش صاف کرتی رہی لیکن اُس نے پلٹ کر بھی بھولا رام کو نہ دیکھا بھولا رام ایک خفیف سے لمحے کے لئے رُکا بھی۔ پھر یک بیک گھبرا کر چلنے بھی لگا جیسے اُسے خود ہی ٹھوکر لگی یا کسی نے چابک مار دیا ہو۔ وہ تیزی سے چلنے لگا۔ اُس کا چہرہ کانوں تک سُرخ ہو گیا۔ یکایک محلّے کے نکڑ کے گھر پر اُسے رام پیاری ملی۔ وہ اُس کی طرف دیکھ کر مُسکرانے لگی۔ وہ ٹھٹکا، چونکا، حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر گھبرا کر آگے بڑھ گیا، اُس کا سر گھومنے لگا، در و دیوار، بازار کی دُکانیں، بجلی کے کھمبے، چلتے ہوئے لوگ، ٹرامیں، بسیں، گاڑیاں، تمنگے سے ایک عجیب چکر میں گھومتے ہوئے نظر آئے۔ رام پیاری اُس کی طرف دیکھ کے مُسکرائی تھی۔ رام پیاری دولت رام سپرنٹنڈنٹ کی بیوی محلّے کی سب سے خوبصورت عورت کیسی تیکھی نگاہ تھی وہ صاف سیدھی، بانکی، دل میں اتر جانے والی، کتنا پیار تھا اُن نظروں میں جیسے

www.taemeernews.com

وہ نگاہیں نہ ہوں بالائی کی انگلیاں ہوں۔ جو انتہائی ملائمت سے اُس کے رخساروں کو چھو کر گزر جائیں۔ بھولارام کا دل اندر ہی اندر موم بتی کی طرح پگھلنے لگا اور اُس کی رگوں اور شریانوں میں خون ایک ہزیانی اور سرسامی کیفیت لئے ہوئے دورہ کرنے لگا۔ اُس کے خواب وخیال میں بھی یہ نہ تھا کہ رام پیاری کبھی اُس کی طرف دیکھ سکتی ہے، دیکھ کر مسکرا سکتی ہے، مسکرا کر محبت ـــــــ اُس نے یکایک اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی اور گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پتہ نہیں وہ کب اور کیسے دفتر پہنچ گیا تھا۔ کیسے اپنی میز پر بیٹھا ہُوا کام کر رہا تھا۔ اب ایک لمحہ ہُوا تو وہ اپنے محلے کے نکڑ پر تھا۔ اور رام پیاری اور وہ نگاہیں .... کمال ہے۔ اُسے فاصلے کا ہمت کا، وقت کا، جگہ کا کوئی احساس نہ رہا تھا۔ اُس کا جی چاہا، وہ اپنی فائلیں پھاڑ ڈالے اور اپنے دفتر کی میز پر چلا کے کہے "جاؤ۔ جاؤ منحوس کلرکو جاؤ چھٹی کرو۔ آج یوم رام پیاری ہے۔ میری محبت اور یوم آزادی کا پندرہ اگست ہے۔ آج میرا باپ جنت میں ہے۔ بھائی فوج میں ہے۔ بہن قرول باغ میں ہے اور میں آزاد ہوں! آج میں نے محلے کے نکڑ پر مانڈلے کے ہیروں کی کان دیکھی ہے۔ جاؤ۔ جاؤ کم بختو چھٹی کرو......"

اتنے میں چپڑاسی نے آکر کہا۔ "ڈُوڈُو صاحب۔ آپ کو سپرنٹنڈنٹ بُلاتا ہے۔"

شام کو جب وہ گھر لوٹا تو پھر اُس نے رام پیاری کو دروازے پر کھڑی پایا۔ رام پیاری مسکرا رہی تھی۔ اُس کا آسمانی دوپٹہ سر سے سرک گیا تھا اور چاند نکل آیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے بھولارام نے اُس کے پیارے پیارے بھولے سے مُسکراتے

www.taemeernews.com

ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ دُوسرے لمحے میں وہ گھبرا کر اور سر جُھکا کر آگے بڑھ گیا اور جب تک وہ اپنے گھر کے اندر نہیں پہنچ گیا اُس نے اپنا سر جُھکائے رکھا۔ محلّے میں سے گذرتے ہوئے اُس نے کہیں اِدھر سے اُدھر نہیں دیکھا۔ کسی برآمدے کی طرف نگاہ نہیں ڈالی۔ کسی اوشا اُما کا انتظار نہیں کیا۔ وہ سڑک کے روڑوں پر نگاہ رکھتا ہُوا محلّے میں سے گذرتا گیا۔ یہ جگہ جہاں موری ٹوٹی تھی، اُما کا گھر تھا یہاں گڑھا تھا۔ یہ جگہ سردریا کے گھر کے سامنے تھی جہاں کُوڑے کا ڈھیر تھا وہاں مانک رام مانگنالے کی بیوہ رہتی تھی۔ یکایک اُس کے کانوں میں ڈُو ڈُو کی آواز آئی۔ یہ ڈی سی رانے کا منحُوس طوطا تھا۔ بھولا رام جلدی سے اپنے گھر میں گھس گیا۔ اُس کا دل زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دل پر رکھ لئے اور ایک کونے میں بیٹھ کر رونے لگا۔ آج وہ بہت خوش تھا اس لئے اُس کے آنسو اُمڈے ہی چلے آرہے تھے۔

دُوسرے دن اور تیسرے دن صبح وہ اُسے پھر نکڑ پر ملی اور اُسی طرح مُسکرا رہی تھی۔ چوتھے دن وہ اُسے نظر نہیں آئی لیکن آج اتوار تھا اور اُس کا شوہر گھر میں ہوگا اِس لئے وہ بے چاری آج اسے دیکھنے کے لئے کیسے گلی کے نکڑ پر آسکتی ہے۔ بے چاری رام پیاری کتنی مجبُور ہے تو۔ وہ پان کھانے کے بہانے سے دو بار گلی کے نکڑ پر گیا لیکن رام پیاری اُسے نہیں ملی۔ تیسری بار جب وہ سگریٹ لینے جارہا تھا تو رام پیاری اُسے دروازے میں اپنے شوہر سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہُوئی نظر آئی۔ بھولا رام نے ہمت کر کے ایک نگاہ اُس کی طرف پھینکی۔ رام پیاری بُرا سا مُنہ بنا کے دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ بھولا رام تھوڑا سا پریشان

www.taemeernews.com

ضرور ہوا لیکن پھر ــــــ وہ بے چاری کیا کر سکتی ہے۔ اپنے شوہر کے سامنے تمہارے لئے کیسے مُسکرائے گی۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ شادی شدہ عورت ہے۔ کیا وہ ساری دُنیا کو دکھاتی پھرے کہ اُسے تم سے محبت ہے چھی! ہوش کی دوا کرو۔ بھولا رام محبت کو تو اس طرح تہ در تہ دِل کے نہاں خانے میں اس جگہ رکھنا چاہیئے جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔

لیکن پھر بھی رام پیاری کے اُس دن کے سلوک سے بھولا رام شک شبہے میں پڑ گیا۔ وہ محبت کرتی ہے۔ وہ محبت نہیں کرتی ہے۔ کرتی ہے نہیں کرتی ہے۔ کرتی ہے۔ وہ چائے بناتے ہوئے دیر تک آنگن کے فرش پر کوئیلے سے سیاہ لکیریں کھینچ کر انہیں دو دو کی جوڑی بنا کر گنتا رہا۔ کرتی ہے؟ نہیں کرتی ہے؟ کوئیلے کی لکیروں سے تو رام پیاری کبھی محبت کرتی تھی کبھی نہیں کرتی تھی۔ آخر میں جب تین بار کوئیلے سے کھینچی ہوئی لکیروں نے اُسے بتا دیا کہ رام پیاری اُس سے محبت کرتی ہے تو بھولا رام کو کچھ اطمینان سا ہوا اور وہ چائے پی کر اپنے بستر پر پڑ گیا اور دفتر کی فائلیں رکھ کر محبت کے خواب دیکھنے لگا۔

چوتھے دن صُبح کے وقت جب وہ دفتر جا رہا تھا رام پیاری پھر اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ اُس کی گوری گوری کلائیوں میں وہ شربتی چوڑیاں کیسی بہار دے رہی تھیں۔ اُس کے خوبصورت سینے پر وہ سونے کا لاکٹ کتنا پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے آگے بھولا رام کچھ نہ دیکھ سکا۔ ہاں اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے لئے ہاتھ پھیلائے۔ پھنسی ہوئی اُس کی شربتی چوڑیاں کھنک گئیں۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھولا رام کے دل و دماغ پر ایک ایسا

www.taemeernews.com

اُجالا چھا گیا جو اندھیرے سے کم نہ تھا۔ ساری دُنیا اُسے تیرتی، دُھندلی ہوتی، گم ہوتی دکھائی دی۔ آخر جب اُسے کسی نے جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچ لیا تو اُسے معلوم ہوا کہ سامنے سے اولڈ سیکریٹریٹ کی بس آ رہی تھی اور سکھ ڈرائیور بغیر کسی پس و پیش کے اُسے کچلنے ہی والا تھا۔ بھولا رام نے اپنے بچانے والے کا سرسری طور پر شکریہ ادا کیا اور جلدی سے بس میں بیٹھ گیا۔ اِس بس میں اتفاق سے اُس وقت بہت حسین عورتیں بیٹھی تھیں لیکن بھولا رام کے لئے اُس وقت بس میں کوئی عورت نہ بیٹھی تھی اور یا جو عورت بھی تھی رام پیاری تھی۔ دفتر پہنچ کر بھی اُسے اُن گوری گوری کلائیوں کے بُلاوے پر بُلاوے آتے رہے۔ آخر اُس نے سوچا کیوں نہ وہ ہمت کر کے اُس سے اظہارِ محبت کر ڈالے۔ آخر جب وہ اِس طرح صاف سیدھے انداز میں اُسے اپنی طرف بُلا رہی ہے وہ کب تک یوں ڈوؤ ڈوؤ بنا رہے گا۔ کچھ اُسے بھی تو کرنا چاہیئے۔ آخر عورت ذات ہے، وہ اِس سے زیادہ کیا کہہ سکتی ہے۔

یہی سوچ سوچ کر اُس نے اپنے دِل میں فیصلہ کیا کہ آج دفتر سے واپس ہوتے ہوئے اگر رام پیاری اُسے ملی اور آس پاس کوئی نہ ہوا تو وہ ضرور جی کڑا کر کے اُس سے بات کرے گا۔ وہ آج دن بھر اپنے دفتر میں فائیل کھولے لیکن دفتر کا کام کئے بغیر اپنے اور رام پیاری کی ہونے والی گفتگو کے فقرے سیدھے کرتا رہا۔

میں کہوں گا "اے جی ..... میں نے کہا جی ....."

وہ کہے گی، شرما کے، "آپ نے مجھ سے کہا جی ......"

(اپنے میٹھے انداز میں وہ یہ 'جی' کہے گی)

www.taemeernews.com

میں کہوں گا۔ ہائے پیاری ..... (پیاری کہوں ؟ کہ ڈارلنگ کہوں ؟
کہ میری جان کہوں ؟ میری جان ذرا چھچھورا سا اندازِ تخاطب ہے۔ ڈارلنگ
میں مغربیت زیادہ ہے۔ پیاری ٹھیک رہے گا۔ اس کے نام سے مناسبت بھی
ہے) ہاں پیاری تم .... (تم کہوں کہ آپ ؟ چھوٹتے ہی تم کہہ دوں تو ٹھیک
رہے گا ورنہ آپ سے تم، پر آتے آتے تو زندگی ختم ہو جائے گی) ہاں پیاری'
تم صرف رام پیاری ہی نہیں ہو۔ میری پیاری بھی ہو! (اچھا فقرہ ہے سُن کر
ضرور شرما جائے گی۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں رس ٹپکاتی ہوئی اِک میٹھے مدھم انداز
میں مجھے یوں دیکھیں گی جیسے اپنی نگاہوں کی ریشمی لپیٹ میں لے رہی ہوں)
رام پیاری۔ 'چھوڑیئے جی بھولا جی ....' (ممکن ہے بھولا نہ کہے ڈو
ڈو کہے۔ آئیں کہنے دو جی ..... وہ ڈو ڈو بھی کہے تو اچھا معلوم ہوگا۔ ڈو
ڈو ..... ڈو ڈو ڈو اُس نقرئی ہنستی ہوئی باریک آواز میں کتنا بھلا معلوم ہوگا۔
ڈو ڈو ..... سچ کسی فرانسیسی عطر کا نام معلوم ہوتا ہے۔ ڈو ڈو !) تم مردوں
کی ذات ہی بے وفا ہوتی ہے۔ اتنے برس سے ہمارے محلّے میں رہ رہے ہو کبھی
میری طرف پلٹ کے نہیں دیکھا۔

'اب تو دیکھ رہا ہوں میری جان! (یہاں پر جان آسکتا ہے۔ کیوں ؟)
یہاں پر وہ پھر شرما جائے گی۔ میں اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُس کی گردن اُونچی
کر دوں گا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہوں گا 'پیاری ایک بار کہہ
دو۔ صرف ایک بار کہہ دو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو' (ذرا تھئیٹریکل ہے مگر ایسے
موقعے کے لئے بُرا نہیں)

www.taemeernews.com

رام پیاری (شرما کر) "تم، تم میرے ڈوڈو ہو!"

بھولا رام (اُس سے بھی زیادہ شرما کر) "تم میری ڈی ڈی ہو!"

رام پیاری (پیچھے ہٹ کر) "تم میرے پوپو ہو!"

بھولا رام (آگے بڑھ کر) "تم میری پی پی ہو!"

اس کے بعد میں آگے بڑھ کر اُس کی کلائی پکڑ لوں گا۔ پھر.... پھر....پھر اس کے آگے بھولا رام کچھ سوچ نہ سکا۔ اُس کے دل و دماغ پر اندھیرا سا چھا گیا کانوں میں بلبلے سے اٹھنے لگے۔ اور وہ اپنی میز سے اُٹھ کر باہر برآمدے میں چلا گیا جہاں سیکریٹریٹ کے ٹاور کی گھڑی بارہ بجا رہی تھی۔

دن بھر وہ اسی طرح بار بار اپنی اور رام پیاری کی گفتگو کو اُلٹ پلٹ کے ٹھیک کرتا رہا۔ اور جب وہ اپنی دانست میں اس کی فائنل نوٹنگ کر چکا تو اُس نے اسے بہت احتیاط سے اپنے ذہن کی فائل میں کلپ چڑھا کر بند کر دیا۔ اتنے میں دفتر کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی سب کاغذات ٹھیک کیئے۔ اور دفتر سے باہر نکل آیا۔ دفتر تک اُس کے دل و دماغ بالکل ٹھیک تھے۔ اصلاح شدہ گفتگو کا ایک ایک لفظ اُسے یاد تھا لیکن جب وہ بس میں بیٹھا اور جوں جوں بس اسٹاپ قریب آتا گیا۔ جہاں اُسے اُترنا تھا، اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی گئی اور اُس کے دماغ پر برقی رَوئیں بہت تیزی سے ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں، اُس کے ذہن کے اندھیرے میں چنگاریاں سی جلاتی ہوئی گھومنے لگیں۔ جب وہ بس سے اُتر کر محلّے کے نکڑ پر آیا تو اُسے اپنی گفتگو کا ایک لفظ بھی یاد نہ تھا۔ اُس کا گلا سوکھ رہا تھا اور زبان میں کانٹے سے محسوس ہو رہے تھے

www.taemeernews.com

اور اُس کے قدم شرابیوں کی طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ رام پیاری کے گھر کے سامنے اُس نے بہت ہمت سے کام لے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ جہاں رام پیاری مسکراتے ہوئے دروازے کا سہارا لئے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ اور وہ نظر دیکھ کے بھولا رام سب کچھ بھول گیا۔ اُس کے ہونٹ "اے جی" کہنے کیلئے کھلے لیکن اُن سے کوئی آواز نہ نکلی۔ اُس کے پاؤں ایک پتھر سے ٹکرائے اور بغل میں دابی ہوئی فائلیں سب کی سب سڑک پر بکھر گئیں اور وہ جلدی جلدی اُنہیں سڑک سے اُٹھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُس نے فائلیں اُٹھا کے اپنی بغل میں دابیں اور دروازے کی طرف چور نگاہ سے دیکھا تو رام پیاری غائب تھی۔ دروازے میں کوئی نہ تھا۔

بھولا رام سر جھکائے نا اُمید ہو کر اپنی بزدلی کو کوستا ہوا اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

دُوسرے دن اُس نے سوچا۔ اِس طرح بات نہیں بنے گی۔ اگر وہ خود کہنے کی ہمت نہیں کر سکتا تو اُسے ایک خط لکھ کر ہی اپنی محبت کا اظہار کر دینا چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی جیسے اُس کے ذہن کے سارے پھاٹک، دروازے اور کھڑکیاں کھل گئیں اور ایک ایک کر کے سارے شاعر اپنے دیوان لے کر اندر چلے آئے۔ داغ، سُورداس، ماسٹر رحمت، میر، میرا بائی، رس کھان، مدھوک، کبیر، آتش، بچن، آزاد، انجم پیلی بھیتی دروازے کھڑکیوں سے پھاند پھاند کر گھس رہے تھے۔ یہ گلزار دہلوی تھے جو روشندان توڑ کر ہی اندر چلے آرہے تھے۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا کان پڑی سُنائی نہ دیتی تھی۔ پہلا خط جو بھولا رام

www.taemeernews.com

نے لکھا وہ پچاس صفحے کا تھا۔ یہ خط نہیں تھا۔ ایک زخمی رُوح کی ساری زندگی کا نچوڑ تھا۔ بھولارام ڈوڈوڈو کی اڑتیس برس کی زندگی کا سارا کچا چٹھا تھا۔ لیکن چٹھا کم تھا کچا زیادہ تھا۔ اِس لئے بھولارام نے اُسے لکھ کے پھاڑ دیا۔ دُوسرا خط لکھا جو تیس صفحے کا تھا۔ تیسرا خط لکھا جو بیس صفحے کا تھا۔ ہوتے ہوتے اگلے تین چار دنوں میں اُس نے ایک خط لکھا جو سات صفحے کا تھا۔ بھولارام نے محسُوس کیا کہ اِس سے کم میں اس کی داستانِ محبت بند نہیں ہوسکتی۔ اُس نے اس خط کو بار بار پڑھا۔ اپنے ذہن کی مشین پر بار بار ٹائپ کیا۔ جگہ جگہ خوُب صوُرت حاشیے چھوڑے، جلی حرُوف سے آراستہ کیا۔ پیرے بنائے۔ فُل سٹاپ اور کولن لگائے اور جب فائنل ٹچنگ کے بعد یہ خط تیار ہوُا تو بھولارام نے اُس میں گلاب کا ایک پھوُل نتھی کیا۔ اُسے ایک خوشبُودار لفافے میں بند کیا۔ اور طے کیا کہ آج دفتر سے جاتے ہوئے اگر وہ ملی اور اگر کوئی دیکھنے والا نہ ہوُا، اور اگر اُس کا موُڈ ٹھیک معلوُم ہوُا اور اگر ہنسی تو وہ آج ضرُور یہ خط اُس کے ہاتھ میں دے کر اور کچھ کہے بغیر پلٹ کر اپنے گھر چلا جائے گا۔ آج وہ کسی گڑبڑ کو برداشت نہیں کرے گا۔ نہ اپنے دل کی بے چینی کو نہ اپنے دماغ کے اضطراب کو۔ آج وہ بہت سکوُن اور اطمینان سے اُس کے پاس جاکے اُس کے ہاتھ میں یہ خط دے کے اپنے گھر چلا جائے گا۔ اور بس...... اِس کے بعد پھر دیکھا جائے گا۔

آج وہ اپنے دفتر سے بہت دلجمعی سے نکلا۔ بس پر بہت اطمینان سے بیٹھا۔ بس سے بہت آرام سے اُترا اور ہولے ہولے قدم اُٹھاتا ہوُا محلے کے نکڑ کی طرف بڑھتا گیا۔ دروازے پر رام پیاری مُسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔ نہ جانے اُسے

www.taemeernews.com

دیکھ کر اُس کا سارا چین اور قرار کدھر چلا گیا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ کچھ سوچ اور سمجھ نہ سکا کہ اب اُسے کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے۔ اُس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں نے وہ لفافہ رام پیاری کے گھر کے باہر جھاڑیوں کی باڑ میں گرا دیا اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہُوا تقریباً دوڑتا ہُوا اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ آج رات کو اُسے نیند نہیں آئی۔ وہ لفافہ رام پیاری نے گرتے ہوئے دیکھا تھا کہ نہیں دیکھا تھا؟ میرے خیال میں دیکھ لیا تھا۔ جھاڑیاں گو گھنی ہیں لیکن عورت کی نگاہیں بہت تیز ہوتی ہیں۔ وہ تو ایکس رے کی طرح دل کے پردوں کو چیر کر سب کچھ دیکھ لیتی ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ اُس نے وہ لفافہ نہ دیکھا ہو۔ یقیناً اُس نے وہ لفافہ دیکھا ہوگا۔ اُسے دھڑکتے ہوئے دل کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُٹھا لیا ہوگا۔ اور اگر وہ اکیلی ہوگی تو اُسے چُوما بھی ہوگا، اپنے سینے سے لگایا بھی ہوگا۔ اور پھر کھول کر پڑھا ہوگا۔ کیسے کیسے رنگ اُس کے چہرے پر آئے ہوں گے جب اُس نے میرا خط پڑھا ہوگا۔ وہ کبھی مُسکرائی ہوگی، کبھی شرمائی ہوگی، کبھی خفا ہوئی ہوگی، کبھی ہونٹ کاٹتے ہوں گے اُس نے، کبھی دوپٹہ سر سے اُتر گیا ہوگا کبھی سر پر لے لیا ہوگا، کبھی اُس نے تکیئے میں مُنہ چُھپا لیا ہوگا، وہ کبھی ہنسی ہوگی، کبھی مُنہ بنا کے جاؤ جی جاؤ کی ادا دکھائی ہوگی۔ محبوب کے خط پڑھنے کی ایک ہزار خیالی تصویریں بھولا رام کے ذہن میں سنیمائی ریل کی طرح گھوم گئیں۔ اور پھر یکایک اُسے خیال آیا۔ فرض کرو رام پیاری نے وہ خط دیکھا ہی نہ ہو۔ فرض کرو وہ خط کسی دوسرے کے ہاتھ پڑ گیا ہو؟

بھولا رام کے ذہن میں وہ خط، وہ جھاڑیاں اس طرح بار بار گڈمڈ ہونے لگیں

www.taemeernews.com

کہ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور رات کی تاریکی میں اپنے بستر سے اُٹھ کر رام پیاری کے گھر کی طرف چلا۔ محلّے میں بالکل سناٹا تھا۔ کہیں کوئی آواز نہ آتی تھی۔ وہ دبے پاؤں سرکتا سرکتا رام پیاری کے گھر کے سامنے کی باڑھ کے قریب پہنچ گیا جہاں اُس نے لفافہ گرایا تھا۔ لفافہ جُوں کا تُوں جھاڑیوں میں پڑا تھا۔ اُسے کسی نے اُٹھایا تھا۔ بھولا رام کو ایک گونہ مایُوسی بھی ہُوئی اور ایک گونہ اطمینان بھی ہوا۔ اُس نے جلدی سے لفافے کو اُٹھا کے اپنی قمیص کی جیب میں ڈال لیا اور واپس اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستے میں چوکیدار نے "ہوشیار رہو" کہہ کر اُسے پکڑ لیا۔ بھولا رام کی گھگھی بندھ گئی۔ تین چار بار کون ہو تم؟ کون ہو تُم؟ سُننے کے بعد اُس کے مُنہ سے نکلا "میں ہُوں بھولا رام"

"اوہ۔ ڈُوڈُو ۔۔۔۔!" چوکیدار کا لہجہ اِک دم بدل گیا۔ اُس نے حیرت سے کہا "ڈُوڈُو تُم رات کے اندھیرے میں اِس وقت کیا کر رہے ہو؟"

"میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا" ڈُوڈُو کے مُنہ سے نکلا۔

"مجھے؟ کیوں؟" چوکیدار نے حیرت سے پُوچھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا تھا"

چوکیدار ہنسا۔ "جاؤ ڈُوڈُو آرام سے سو جاؤ۔ جب تک اِس محلّے کا گورکھا جاگتا ہے تُم کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ آرام سے سو جاؤ۔ ہم تمہارے گھر کے سامنے چار چھ بار آواز دے گا"

دُوسرے دن فرطِ محبّت سے بھولا رام حرارت سی محسُوس کرنے لگا۔ اُس نے سوچا اگر آج وہ اپنی محبّت کا راز اپنی محبُوبہ سے نہیں کہے گا تو مر جائے گا۔

www.taemeernews.com

اُس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا اور وہ اپنی محبت کا اظہار کئے بغیر مر جائے گا۔ آج اُس کے جسم کا بند بند ٹوٹ رہا تھا۔ رہ رہ کے اُسے انگڑائیاں آرہی تھیں۔ جماہیاں آرہی تھیں اور حلق سوکھ رہا تھا۔ آج دوپہر کو اُس نے کینٹین میں کھانا بھی نہیں کھایا۔ صرف چائے بار بار پی اور خشک ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرتا رہا۔ دن بھر بہت گھبرایا۔ بے چین اور بخار میں پھنکتا سا رہا۔

لیکن جب شام ہوئی تو خود بخود اُس کے دل میں قرار سا آگیا۔ وہ بہت اطمینان سے بس سے اتر کر اپنے محلّے کی طرف بڑھا۔ محلّے کا نکڑ آگیا۔ نکڑ سے گھوم کر رام پیاری کے گھر کا دروازہ آگیا۔ رام پیاری دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ مُسکرا رہی تھی۔ وہ بھی جواب میں مُسکرایا۔ بہت اطمینان سے، وہ اور بھی مُسکرائی۔ وہ بھی اور مُسکرایا۔ اُس نے سڑک پر کھڑے ہو کر اپنی پگڑی درست کی اور رام پیاری سے کچھ کہنے کے لئے مڑا۔

اتنے میں رام پیاری تیزی سے چلتے ہوئے اپنے دروازے سے سڑک پر آئی اور اُس کے قریب سے گزرتے ہوئے، مُسکراتے ہوئے نکڑ پر چلی گئی۔ جہاں بھولا رام کے پیچھے پیچھے رام پیاری کا لڑکا ہاتھ میں ہاکی لئے بلے کو اُڈنڈ سے کھیل کرتا رہا تھا۔ رام پیاری نے اپنے بچے کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور ماما بھرے لہجے میں بولی۔ "آج تم نے بہت دیر کر دی"۔

"نہیں ماں" لڑکے نے فوراً جواب دیا۔ "روز کی طرح وقت پر آ رہا ہوں ڈوڈو کے پیچھے پیچھے۔ ایک منٹ کی بھی تو دیر نہیں ہوئی۔ ڈوڈو تو میری گھڑی ہے۔ دیکھ لو"

www.taemeernews.com

لڑکے نے ڈوڈو کی طرف اشارہ کیا۔

رام پیاری ڈوڈو کی طرف دیکھ کے مسکرائی۔

یکا یک ڈوڈو کا دل اس مسکراہٹ کو سمجھ گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ جس نگاہ میں اس نے اپنی کلیوں ایسی شرمیلی محبت کے پھول کھلائے تھے، وہ پھول ایسی آرزوؤں کے گلزار سجائے ہوئے تھے۔ اس نگاہ میں اتنی ہی محبت تھی جتنی محبت کلاک ٹاور پر وقت دیکھنے والے کو کلاک ٹاور سے ہوتی ہے۔ وہ آدمی نہیں تھا۔ وہ تو ایک گھڑی تھا۔ جس سے اپنے بچے کے آنے کا انتظار کرتے ہوئے رام پیاری وقت دیکھا کرتی تھی۔

دوسرے دن بھولا رام ڈوڈو جب دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس نے پھر خاکستری رنگ کی پگڑی پہن رکھی ہے۔ اس کے شانے پہلے سے زیادہ سکڑ گئے ہیں۔ گردن پہلے سے زیادہ نیچے کو جھک گئی ہے اور وہ پہلے سے بہت بوڑھا ہو گیا ہے!

✗

www.taemeernews.com

عشق کے بعد

کردار

لیلیٰ ـــــ مجنوں ـــــ مجنوں کی ماں ـــــ رومیو

جولیٹ ـــــ ہیر ـــــ رانجھا ـــــ راوی

چپراسی ـــــ فلم ڈائرکٹر ـــــ کلرک وغیرہ

وقت ـــــ زمانۂ حال

پہلا منظر

جب پردہ اُٹھتا ہے تو اسٹیج پر اندھیرا ہے۔ صرف دائیں ونگ میں ایک چھوٹا سا لیمپ شیڈ روشنی کا ایک کمزور سا ہالہ بنائے ایک چھوٹی تپائی پر جھکا ہوا ہے اِس تپائی کے سامنے ایک آرام کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کا خوش پوش آدمی بیٹھا ہے۔ اور ایک

www.taemeernews.com

کتاب پڑھ رہا ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے تو اُس کے چند لمحوں کے بعد وہ آدمی اپنی عینک رُومال سے صاف کرتے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ کے کہتا ہے۔

راوی :۔ "آپ نے سُنا ہوگا کہ محبت لازوال ہے۔ ابدی ہے کبھی نہیں مٹتی کبھی نہیں مرتی۔ سچی محبت کرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو لیلیٰ مجنوں ہیر رانجھا۔ سسّی پنوں۔ رومیو جولیٹ آج بھی زندہ ہیں اور محبت کر رہے ہیں۔ یہ بات بالکل سچ ہے لیکن پہلے مَیں اِسے سچ نہیں سمجھتا تھا لیکن ایک دن کیا ہوا۔ میں شام کے وقت شہر کے باہر چہل قدمی کو نکلا اور ذرا دُور نکل گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سڑک سے ذرا ہٹ کے خانہ بدوشوں کی دو چار جھونپڑیاں ہیں اور اُن میں سے آخری اور گندی جھونپڑی کے دروازے پر ایک آدمی دستک دے رہا ہے اور زور زور سے چلّا رہا ہے۔"

دستک کی آواز آتے ہی اسٹیج پر دھیرے دھیرے روشنی پھیلنے لگتی ہے اور وینگ کے قریب کا لیمپ شید بجھ جاتا ہے اور کتاب پڑھنے والا آدمی کتاب لئے ہوئے وینگ کے اندر چلا جاتا ہے۔ اب اسٹیج کے اُجالے میں ایک ٹوٹے ہوئے جھونپڑے کا اندرونی حصّہ نظر آتا ہے۔ انتہائی مفلسی کا عالم ہے۔ دیواروں پر دھوئیں کی کلونچ ہے۔ ایک کونے میں لیلیٰ چُولھے میں گیلی لکڑیاں سُلگانے کی ناکام کوشش کر رہی ہے بار بار پھُونک مارنے سے اُس کا زرد مُرجھایا ہوا چہرہ تمتما اُٹھتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ جھونپڑا دھوئیں سے بھر رہا ہے۔ تیسری چوتھی دستک پر لیلیٰ چولھے سے اُٹھ کر بائیں وینگ

www.taemeernews.com

پر جاکر دروازہ کھولتی ہے)

مجنوں :۔ "لیلیٰ! اے لیلیٰ! اری او کمبخت لیلیٰ!! کدھر مرگئی؟ دروازہ کھول۔ کب سے کھڑا دروازے پر چلا رہا ہوں۔"

لیلیٰ :۔ "آئی مجنوں۔ آئی!"

(دروازہ کھلتا ہے)

لیلیٰ :۔ "کیا بات ہے؟ اتنے زور سے دروازہ پیٹ رہے ہو۔ اگر کہیں دروازہ ٹوٹ جاتا تو؟ ....."

مجنوں :۔ "تو نیا آجاتا۔"

لیلیٰ :۔ (نقل کرکے) "نیا آجاتا .... کہاں سے آجاتا؟ شادی ہوئے اتنے سال ہونے کو آئے ایک چاندی کا چھلا تو لاکے دیا نہیں۔"

مجنوں :۔ "محبت کو سونے اور چاندی میں نہیں تولا کرتے میری جان! (کھانستا ہے) توبہ توبہ کتنا دھواں ہو رہا ہے۔"

لیلیٰ :۔ "جنگل میں گیلی لکڑیاں ہیں۔ دھواں نہ دیں گی تو کیا آگ برسائیں گی۔ تم سے تو اتنا نہ ہوا کہ مہینے میں ایک بوری کوئیلے ہی کی لا دیتے۔"

مجنوں :۔ "لیلیٰ! لیلیٰ! میں آج بھی تمہارے لئے اپنی جان دے سکتا ہوں!"

لیلیٰ :۔ "جان دے سکتے ہو لیکن کوئیلے کی ایک بوری نہیں دے سکتے۔"

مجنوں :۔ "کہو تو میں تمہارے لئے آسمان سے تارے توڑ لاؤں؟"

لیلیٰ :۔ "لیکن چار گز لٹھا نہیں لا سکتے۔ دیکھتے نہیں ہو میری قمیص کا کیا حال ہو رہا ہے!"

www.taemeernews.com

مجنوں :۔ "امّاں کہاں ہیں ؟"

لیلیٰ :۔ "اونٹ کو چرانے لے گئی ہیں۔ بس تمہیں تو ہر دقیقہ اپنی امّاں کی فکر پڑی رہتی ہے۔ جب باہر سے آؤ گے پوچھو گے۔ امّاں کہاں ہیں ؟ باہر جاؤ گے۔ میری امّی اچھی امّی ! تمہاری امّی نہ ہو ئیں میری جان کا روگ ہو گئیں۔ امّی بڑھیا ہو گئیں لیکن کھانے میں دس جوانوں کو بھی مات کرتی ہیں۔ پرات کو ہاتھ لگائے تو روٹیاں غائب کر دے۔ ہانڈی کو ہاتھ لگائے تو سالن کی صفائی۔ جانے اُس کا پیٹ ہے کہ شیطان کا اصطبل۔ جتنا گھاس دانہ، چارہ ڈالو سب ختم ہو جاتا ہے۔"

مجنوں :۔ "میری امّاں کو گالی نہ دو جی۔ میں تم سے ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری سب باتیں گوارا کر سکتا ہوں لیکن اپنی امّاں کے لئے گالی نہیں سُن سکتا۔ نہیں سُن سکتا (اور اُونچی آواز سے) نہیں سُن سکتا۔ سُنتی ہو ؟"

لیلیٰ :۔ "سُنتی ہوں۔ کوئی بہری نہیں ہوں۔ ہاں اگر اِس جھونپڑی میں چند سال تمہارے ساتھ رہ گئی تو شاید بہری بھی ہو جاؤں۔ ہائے کیسی بُری گھڑی تھی جب .... جب ..... میں تمہاری میٹھی میٹھی محبت کی باتوں میں آ گئی اور تمہارے ساتھ جنگل میں چلی آئی۔"

(سسکی لے کر روتی ہے)

مجنوں :۔ "لیلیٰ ! لیلیٰ ! میری جان، مجھے معاف کر دو۔ میں ذرا غصّے میں تھا۔ دن بھر کا تھکا ہارا چلا آ رہا تھا۔ یہاں آکر تم سے کچھ کڑوی باتیں سُننے کو ملیں۔ مُنہ کا مزہ ہی بگڑ گیا۔ جانِ من ! کیا کروں میرا دل خود نہیں چاہتا کہ اپنی نازوں سے پالی، شاہی محلوں میں رہنے والی لیلیٰ کو اس خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر

www.taemeernews.com

کرنے پر مجبور کر دوں لیکن کیا کروں کہیں نوکری نہیں ملتی "۔

لیلیٰ :۔ "آج EMPLOYMENT EXCHANGE کے دفتر میں نہیں گئے تھے ؟"۔

مجنوں :۔ "گیا تھا"

لیلیٰ :۔ "پھر کیا ہُوا ؟"

مجنوں :۔ "وہاں بے کار لوگوں کا بہت بڑا کیو لگا تھا۔ کہیں دو گھنٹے کے بعد میری باری آئی "۔

(مجنوں اپنے مکالمے کے دوران میں اسٹیج کے مرکزی پردے کی طرف ہٹتا ہے۔ مرکزی پردے کو ہاتھ لگاتے ہی وہ پردہ اوپر اُٹھ جاتا ہے۔ جھونپڑے والے سیٹ کی روشنی گُل ہو جاتی ہے اور اندر والا سیٹ روشن ہو جاتا ہے لیکن اُس کی روشنی چھن چھن کر سامنے والے جھونپڑے کے سیٹ پر پڑتی رہتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیج کا اگلا حصّہ اندھیرے میں ہے۔ اور اُس اندھیرے میں لیلیٰ کھڑی گزشتہ منظر دیکھ رہی ہے۔ پیچھے حصّے کے اسٹیج میں ایک EMPLOYMENT EXCHANGE کا دفتر دکھائی دیتا ہے۔ یہاں بیکار نوجوانوں کا کیو لگا ہے۔ اِس کیو کے کچھ نوجوان آگے کی میزوں پر اپنے کاغذات مکمل کرا رہے ہیں۔ مجنوں بیچ والی میز کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اِس میز کا کلرک اُس سے سوال کرتا ہے)

کلرک :۔ "تمہارا نام ؟"

www.taemeernews.com

مجنوں :۔ "مجنوں"!

کلرک :۔ "باپ کا نام؟"

مجنوں :۔ "خلد واں"

کلرک :۔ "کہاں تک تعلیم پائی ہے؟"

مجنوں :۔ "جی؟"

کلرک :۔ "میرا مطلب ہے کہ میٹرک پاس ہو کہ بی۔ اے۔ ایم۔ اے کون سی ڈگری لے چکے ہو؟"

مجنوں :۔ "فی الحال تو ایک پٹھان نے میرے خلاف ایک ڈگری لے لی ہے عدالت سے۔ ایک سال سے جھونپڑے کا کرایہ نہیں دیا تھا۔"

کلرک :۔ "تو گویا تم پڑھے لکھے بالکل نہیں ہو؟"

مجنوں :۔ "جی نہیں۔ البتہ مادر زاد شاعر ضرور ہوں۔"

کلرک :۔ "شاعری کا نوکری سے کیا تعلق؟ اچھا اور کیا کام کرتے ہو؟"

مجنوں :۔ "جی عشق کرتا ہوں۔ اور صحرا صحرا ریت چھانتا ہوں۔ اور جب اُس سے جی اُکتا جائے تو گریبان پھاڑ کر لیلیٰ لیلیٰ چلانے لگتا ہوں۔ یہ گاتے ہوئے،

لیلیٰ لیلیٰ پکاروں میں بن میں

میری لیلیٰ بسی میرے من میں"

(مجنوں گاتے گاتے چپ ہو جاتا ہے)

کلرک :۔ "میرے خیال سے مجنوں صاحب اگر آپ نوکری ڈھونڈنے سے پہلے کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں تو اچھا رہے گا۔ آپ کی دماغی حالت مجھے بہت مخدوش دکھائی

www.taemeernews.com

دیتا ہے۔ "NEXT"

(جب کلرک NEXT کہتا ہے تو مجنوں مایوسی سے ہٹتا ہے۔ اور اسٹیج کے پچھلے حصے یعنی اپنے جھونپڑے کے سیٹ کی طرف چلتا ہے۔ پچھلے سیٹ کی روشنی گل ہو جاتی ہے۔ اور جب مجنوں اپنے جھونپڑے کے سیٹ میں داخل ہوتا ہے تو مرکزی پردہ پھر گر کر اسٹیج کے پچھلے حصے کو غائب کر دیتا ہے۔ مجنوں پریشان حال لیلیٰ کی طرف دیکھتا ہے۔ جو آہستہ آہستہ سسکیاں لے رہی ہے)

مجنوں :۔ "تو یہ ہے آج کل کا زمانہ۔ یہ لوگ سچی محبت کرنے والے کو بے کار سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑا کام ہے۔ آپ ذرا چوکے اور محبوب غائب۔"

لیلیٰ :۔ "لیکن اب تو تم پہلی سی محبت بھی مجھ سے نہیں کرتے۔"

مجنوں :۔ "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ!"

لیلیٰ :۔ "کیوں؟"

مجنوں :۔ "دیکھو اب تم خود وہ پہلی سی نہیں رہیں۔ بہت دُبلی ہو گئی ہو۔"

لیلیٰ :۔ "میں دُبلی ہو گئی ہوں اور تم موٹے ہو گئے ہو۔ ذرا آئینے میں اپنی صورت تو دیکھو گلے پر کلا چڑھتا آ رہا ہے۔ تمہاری صورت دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی آوارہ مزاج، آشفتہ سر مجنوں ہے۔ جو صحرا صحرا جنگل جنگل اپنی محبوبہ کی محبت میں بے چین پھرتا تھا۔ ارے کچھ تو شرم کرو۔ میں تمہارے لئے گھر سے بھاگی جنگل میں آ کے رہی۔ آج بھی تمہارے لئے فاقے کرتی ہوں۔ کھانا پکاتی ہوں۔ چولھے میں سر جھونکتی ہوں۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتی ہوں۔ تار تار چیتھڑوں

www.taemeernews.com

میں رہتی ہوں۔ اپنا پیٹ کاٹ کر تمہیں کھلاتی ہوں لیکن ایک تم ہو کہ میرے لئے نخلستان کی کھجوریں بھی نہیں لاتے۔"

مجنوں :۔ "کیا کروں لیلیٰ کھجوریں مہنگی ہو گئی ہیں۔"

مجنوں کی ماں :۔ "اری او مُردار چڑیل کیا ٹھسکے سے کھڑی میرے بچے سے باتیں کر رہی ہے۔ اری دیکھتی نہیں چولھے پر ہانڈی اُبلی جارہی ہے۔"

لیلیٰ :۔ (آہستہ سے) "تمہاری امّی آگئیں (زور سے) معاف کرو امّاں۔ باتوں باتوں میں دھیان نہ رہا۔"

مجنوں کی ماں :۔ "باتوں باتوں میں دھیان نہ رہا۔ مُردار چین سے پڑی کھاتی ہے۔"

لیلیٰ :۔ "بہت لاڈلڈاتی ہو نا امّاں مجھے۔ بہت سا زیور دیا تھا تم نے شادی میں مجھے...!"

ماں :۔ "اری گھر سے بھاگنے والیوں کو بھی کوئی زیور دیتا ہے۔ وہ تو خود جہیز گھر سے لاتی ہیں۔ اتنے امیر باپ کی بیٹی اور دو کپڑوں میں اُونٹ پر سوار ہو کر آگئی جبھی تو کہہ رہی تھی مجنوں سے، بُرا پھنس رہا ہے۔ محبّت میں دولت نہیں ملتی اور جہاں دولت نہ ہو وہاں آخر میں دلندری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"

لیلیٰ :۔ "اچھا تو میں دلندر ہوں؟"

ماں :۔ "میرا مطلب......"

لیلیٰ :۔ "پھر کہہ تو سہی۔ نک کٹی۔ ندیدی چڑیل!"

مجنوں :۔ "میری امّاں کو گالی نہ دو....."

لیلیٰ :۔ "کیوں نہ دوں۔ کیا ملا ہے مجھے تمہارے گھر آکے؟ طعنے، فاقے، روزے دھکے، مُکّے، گالی، گلوچ! یہی تمہاری سچّی محبّت تھی —— ؟ مجنوں کے بچّے؟"

www.taemeernews.com

کیا کھا کے بھینس کی طرح پھیل گیا ہے۔ اور میں تمہاری خدمت کرتی کرتی سوکھ کر کانٹا ہوتی جا رہی ہوں۔ کیا میری خدمت کا یہی صلہ ہے؟ لاؤ میرا ڈنٹ کس دو۔ اُس پر کجاوا اور محمل میں ابھی اپنے میکے جاتی ہوں۔"

ماں :۔ "جا، جا! میکے کی دھمکی نہ دے۔ میرے لڑکے کے لئے ایک نہیں ہزار بیویاں ہیں۔"

لیلیٰ :۔ "بکواس نہ کر!"

ماں :۔ "تو بکواس نہ کر!"

لیلیٰ :۔ (چانٹا مار کر) "مردار!"

ماں :۔ (جواب میں چانٹا مار کر) "بھٹیل!"

لیلیٰ :۔ "بلّی!"

ماں :۔ "بدقدمی!"

(لیلیٰ اور مجنوں کی ماں میں بڑی زوردار لڑائی ہوتی ہے۔ اس لڑائی کے دوران میں مجنوں کبھی اپنی ماں سے، کبھی اپنی لیلیٰ سے پِٹ جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ پردہ گرتا ہے)

دُوسرا منظر

جب دُوسرے منظر پر پردہ اُٹھتا ہے تو پہلے منظر کا راوی وکیل کے لباس میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ ایک خوش حال وکیل کا کمرہ نہیں ہے۔ زمانے کی ناقدری کے ستائے ہوئے غریب وکیل کا کمرہ معلوم ہوتا ہے۔ فرنیچر سے، کتابوں کی جلدوں سے، کمرے کی دیواروں سے، اور خود اُس کے اپنے لباس سے اِس ادھیڑ

www.taemeernews.com

عُمر کے وکیل کی غربت نمایاں ہو جاتی ہے۔

وکیل ہاتھ میں ایک کتاب لیئے پڑھ رہا ہے۔ پردہ اُٹھنے کے چند ثانیوں کے بعد تماشائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے)

راوی :۔ " آہ! کیا یہی ہے انجام وفا؟ کیا یہی وہ لیلیٰ تھی جس کی شرمیلی نگاہوں اور لجاتی ہوئی اداؤں نے مجنوں کو پاگل بنا دیا تھا۔ اور اُسے دشت پیمائی کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ کیا یہی وہ مجنوں تھا جو لیلیٰ کی قسم نہیں کھاتا تھا۔ جو جنگل کے درختوں سے صحرا کی چٹانوں اور ریت کے بگولوں سے لیلیٰ کا پتہ پوچھتا تھا۔ عقل حیران تھی یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن آدمی آنکھوں دیکھی بات پر کیسے یقین نہ کرے۔ پھر بھی میں نے یہ سوچ کر اپنے ذہن کو تسلی دے دی کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ بُرے حالات میں بعض آدمی بُرے بن جاتے ہیں یعنی جب آٹا مہنگا ہوتا ہے تو عشق سستا ہو جاتا ہے۔ بلکہ بالکل بے قدر ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ چلو کیا ہوا اگر لیلیٰ اور مجنوں ایک دوسرے سے نباہ نہ سکے ـــــــ ابھی محبت جوان ہے، عشق زندہ اور پائندہ ہے۔ دُنیا میں ایک اکیلا، واحد جذبہ ہے۔ جو دوسرے حالات کے ساتھ نہیں بدلتا۔ بلکہ ایک چٹان کی طرح، روشنی کے مینار کی طرح مشعل ہدایت بن کر کھڑا رہتا ہے۔ کیا ہوا اگر لیلیٰ مجنوں کمزور اور بودے نکلے۔ ابھی دُنیا میں شیریں فرہاد سسّی پنوں۔ ہیر رانجھا اور رومیو جولیٹ کی لازوال محبت موجود ہے ـــــــ یہی سوچ کر میں نے اپنے دل کو تسلی دے لی لیکن پھر ایک دن کیا ہوا۔ میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ چپراسی نے ایک کارڈ

www.taemeernews.com

لا کے دیا۔ کارڈ پہ لکھا تھا

"رومیو مانٹیگیو (ROMEO MANTAGUE)

راوی :- (چپراسی سے) "رومیو مانٹیگیو کون ہے؟"

چپراسی :- "صاحب کوئی یورپین معلوم ہوتا ہے۔ اِن کے ساتھ میں ایک میم بھی ہے۔"

راوی :- "اچھا تو اُنہیں اندر بلاؤ۔"

رومیو :- " GOOD MORNING "

جولیٹ :- " GOOD MORNING "

راوی :- "گڈ مارننگ تشریف رکھیئے۔"

رومیو :- "معاف کیجئے گا۔ بغیر اپوائنٹمنٹ کے آپ کے پاس چلے آئے لیکن معاملہ ہی کچھ ایسا ہے۔ آپ وکیل ہیں اس لئے آپ سے مشورہ کرنا بہت ضروری ہے۔"

راوی :- "فرمائیے!"

رومیو :- "جی وہ قصّہ یہ ہے مگر ٹھہریئے۔ پہلے میں اپنا تعارف کرا دوں میرا نام رومیو مانٹیگیو ہے۔ یہ میری بیوی جُولیٹ ہے۔"

جُولیٹ :- (امریکن لہجے میں) "ہائی یا گاگا!"

رومیو :- "وہ ہمارا قصّہ تو آپ نے سُنا ہو گا؟"

راوی :- "جی کچھ یاد تو آتا ہے۔"

رومیو :- "ہم دونوں اٹلی کے ایک شہر دی رونا میں رہتے ہیں۔ میرا باپ مانٹیگیو قبیلے کا سردار تھا۔ اور میری بیوی جولیٹ کا باپ کیپولٹ قبیلے کا سردار تھا۔"

راوی :- "اچھا اچھا یاد آیا۔ آپ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لیکن

www.taemeernews.com

آپ کے ماں باپ ـــــــ میرا مطلب ہے آپ دونوں کے قبیلے والے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔"

رومیو :"۔ ابھی تک ہیں صاحب ابھی تک ہیں۔ محبت مرجاتی ہے لیکن اِن کمبخت انسانوں کی دشمنی کبھی نہیں مرتی۔"

راوی :"۔ آپ بہت مایوس معلوم ہوتے ہیں؟"

رومیو :"۔ جی زندگی نے بہت تلخ تجربے سکھائے ہیں۔"

راوی :"۔ یہ تو صحیح ہے لیکن جہاں تک مجھے یاد آتا ہے۔ آپ دونوں کی خفیہ شادی ہوئی تھی لیکن اُس میں جولیٹ یعنی آپ کی بیوی کے ماں باپ ان کی شادی نہیں کر رہے تھے۔ اور پھر کچھ ایسا کر ایک قبرستان میں جب آپ جولیٹ سے ملنے گئے وہاں آپ نے جولیٹ کی لاش دیکھی۔ اور زہر کھا لیا۔ اور پھر شاید جولیٹ مری نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے آپ جب اُٹھیں تو آپ نے رومیو کو مُردہ پایا اور خنجر سینے میں چبھو کے مر گئیں۔"

جولیٹ :۔ (طنزاً) "جی۔ جی۔ جی۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اُس زہر کھانے کے بعد یہ رومیو صاحب بچ گئے۔ کیوں کہ انھوں نے جس ڈاکٹر سے زہر لیا تھا۔ اُس کمبخت نے اُس زہر میں اُس کا توڑ بھی شامل کر دیا تھا۔"

راوی :"۔ بہت خوب!"

رومیو :۔ (طنزاً) "جی ہاں۔ اور ان کے ساتھ یعنی میری بیوی کے ساتھ بھی یہی حادثہ ہوا کہ جب یہ میری محبت میں مرنے جا رہی تھیں تو خنجر ان کے سینے میں اُترنے کے بجائے ذرا پسلیوں کی طرف چلا گیا اور یہ بچ گئیں۔"

www.taemeernews.com

جولیٹ :۔ "بس اُسی غلطی کا خمیازہ اب تک بھگت رہی ہوں۔"

راوی :۔ "میڈم یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ لوگوں کی محبت تو لازوال ہے۔ ولیم شیکسپیئر ایسے عظیم ڈرامہ نگار نے آپ کی محبت کو زندۂ جاوید کر دیا ہے دُنیا آپ کی محبت پر سر دُھنتی ہے اور روتی ہے۔"

جولیٹ :۔ "جیسے میں آج تک رو رہی ہوں۔"

راوی :۔ "کیا بات کیا ہے میڈم؟"

جولیٹ :۔ "جی بات صرف اِتنی ہے کہ میں عاجز آ گئی ہوں۔ اور اِن سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔"

راوی :۔ "طلاق؟ اور رومیو سے؟ میڈم یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ دُنیا کیا کہے گی۔ خود ہمارا ولیم شیکسپیئر کیا کہے گا۔ اُس بے چارے نے تو ایک پورا ڈرامہ آپ کی مدح سرائی میں ....."

جولیٹ :۔ "چولھے میں جائے دُنیا اور بھاڑ میں جائے شیکسپیئر! میں تو رومیو سے طلاق لے کر ہی چھوڑوں گی۔"

راوی :۔ "لیکن اِس میں رومیو کا قصور کیا ہے، کیوں صاحب؟"

(رومیو سے مخاطب ہو کر)

رومیو :۔ "اجی صاحب! میرا قصور صرف اِتنا ہے کہ میں نے اِس بڈھی عورت کے لئے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان میں آ کر سر چھپایا۔ تاکہ ہم اپنے قبیلے والوں کی دشمنی سے محفوظ رہیں۔"

راوی :۔ "یہاں آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

www.taemeernews.com

رومیو :۔ "جی میں چمڑے کا سوداگر ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے میرا کاروبار اچھا چل رہا ہے۔ چمڑا کالا ہو، گورا ہو، میں سب بیچتا ہوں اور اپنا نفع نکالتا ہوں میرے پاس ایک کار ہے۔ ایک کوٹھی ہے۔ نوکر چاکر اللہ کا دیا بہت کچھ موجود ہے۔"

راوی :۔ "پھر میڈم آپ اِن سے طلاق کیوں لینا چاہتی ہیں ؟"

جولیٹ :۔ "میں ..... میں ..... دیکھئے وکیل صاحب یہ ہر روز گھر پر رات کے ڈیڑھ بجے، دو بجے شراب کے نشے میں دھت آتے ہیں اور آتے ہی بستر پر جوتوں سمیت دراز ہو جاتے ہیں۔ میں کسی ایسے آدمی کی بیوی بن کے نہیں رہ سکتی جو جوتوں سمیت بستر پر سوتا ہو اور رات کے بارہ گھنٹوں میں دس گھنٹے خراٹے لیتا ہو۔"

راوی :۔ "لیکن آپ تو ان سے شدید محبت کرتی ہیں نا ہمجھے یاد ہے جب آپ نے رومیو کو اُس قبرستان میں مُردہ پایا تھا، تو کہا تھا ——"

جولیٹ :۔ "میں سناتی ہوں ——"

WHAT'S HEAR? A CUP CLOSED IN MY TRUE LOVE'S HAND? POISON I SEE HATH BEEN HIS TIMELESS END O CHURL, DRUNK ALL, AND LEFT NO FRIENDLY DROP TO HELP ME AFTER? I WILL KISS THY LIPS ....

جولیٹ :۔ "یہی کہا تھا نا ؟"

راوی :۔ "جی کچھ ایسا ہی میں نے شیکسپیئر کے ڈرامے میں پڑھا تھا"

www.taemeernews.com

جولیٹ :۔ "شیکسپیئر بے چارہ کیا جانے۔ اُسے کبھی رومیو کے خرّاٹوں سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اجی صاحب میں کہتی ہوں جب یہ خرّاٹے لیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دو ہزار گھوڑے ایک ساتھ ہنہنا رہے ہوں۔ میری محبت اگر لوہے جتنی مضبوط ہوتی تو بھی اِن خرّاٹوں کے سامنے کبھی نہ ٹھہر سکتی تھی لیکن میں تو گوشت پوست کی بنی ہوئی ایک معمولی عورت ہوں۔"

راوی :۔ "میرے خیال میں اگر آپ کی محبت میں صرف اِن کے خرّاٹے ہی حائل ہیں تو اِن کا تو بہت آسانی سے علاج ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں اگر آپ اپنے شوہر کی غذا میں تھوڑی سی اصلاح ....."

رومیو :۔ "ہا ہا ہا۔ کیا کہا آپ نے غذا میں اصلاح ؟ میری ڈارلنگ جولیٹ کو وکیل صاحب، فرصت ہی کہاں ہے کہ اِس غریب کی غذا پر دھیان دیں۔ یہ تو دن بھر لپ اسٹک اور پوڈر اور پھر پک نک اور پھر شام کو کبھی اِس کلب میں کبھی اُس کلب میں۔ کبھی اِس پارٹی میں کبھی اُس پارٹی میں کبھی اِس شغل میں کبھی اُس شغل میں۔ اور جانے کیا کیا کچھ۔ اب میں کیا بتاؤں بس میں تو اُبلے ہوئے آلو اور گوبھی کھا کر سُوَر بن رہا ہوں۔"

(ڈکارتا ہے)

جولیٹ :۔ "دیکھا آپ نے اُس جانور کی ساری خصلتیں اِن میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ڈکارنے پر ہی کیا موقوف ہے۔ اِن کی محبت بھی اسی طرح کی ہو گئی ہے آج کل مجھے چھوڑ کر اُس حرافہ روزالین کے چکر میں گرفتار ہیں جیسے چھوڑ کر انہوں نے مجھ سے شادی کی تھی۔ اور اب مجھ سے شادی کر کے اب پھر اُسی کے

www.taemeernews.com

پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔"

راوی :۔ "رومیو اور بے وفا! بچ بچ، مسٹر رومیو! شیکسپیئر کیا کہے گا؟"

رومیو :۔ "اب کچھ بھی کہے صاحب! لیکن حق بات تو یہ ہے کہ روزالین کو چھوڑ کر
میں نے سخت غلطی کی۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ جولیٹ کی طرح حسین نہیں ہے
لیکن صاحب! دنیا میں صرف حسن ہی پر گزر نہیں ہو سکتی۔ اور سچ بات تو
یہ ہے مسٹر کہ روزالین میرا بہت خیال رکھتی ہے اور کھانے تو اتنے اچھے
پکاتی ہے کہ کیا کہوں کسی روز آپ آئیے نا؟"

جولیٹ :۔ "ہاں ہاں لے جاؤ ان کو بھی۔ ساری دنیا کو دکھاؤ کہ تم کتنے شریف ہو۔"

رومیو :۔ "اور اپنی شرافت کی بھی تو بات کرو۔ میں عورت سمجھ کے چپ ہوں اس
کا مطلب یہ نہیں کہ تم سر پر چڑھتی جاؤ۔ میں اندھا نہیں ہوں کہ تمہاری حرکات
پر نظر نہیں رکھ سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں کہاں جاتی ہو اور کن کن
بہانوں سے ارل پیرس سے ملتی ہو۔"

جولیٹ :۔ "ہاں ملتی ہوں! ملتی ہوں! اب تم اس طرح کہو گے تو میں بھی ساری
دنیا کے سامنے چیخ چیخ کر کہوں گی، میں ارل پیرس سے ملتی ہوں۔ وہ مجھے
بہت پسند ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔"

راوی :۔ "ارل پیرس سے؟ لیکن میڈم وہ تو عمر میں آپ سے زیادہ .... شیکسپیئر
نے تو یہی لکھا ہے۔"

جولیٹ :۔ "اجی عمر زیادہ ہے تو کیا ہوا! عقل بھی زیادہ ہے۔ زندگی کا تجربہ بھی زیادہ
ہے اس کے پاس۔ اور بڑی بات یہ ہے وکیل صاحب کہ وہ آدمی میرے جذبات

www.taemeernews.com

کا انتہا سے زیادہ احترام کرتا ہے۔"

رومیو :۔ "یوں کیوں نہیں کہتی کہ وہ ایک بالکل چُغد ہے۔"

جُولیٹ :۔ "چُغد تم ہو۔"

رومیو :۔ "شٹ اَپ۔"

جُولیٹ :۔ "یُو شٹ اَپ۔"

رومیو :۔ "عدالت میں چلو۔"

جُولیٹ :۔ "چلو ابھی چلو۔"

رومیو :۔ "اور طلاق ؟"

جُولیٹ :۔ "طلاق وکیل صاحب ؟"

رومیو :۔ "طلاق ؟"

راوی :۔ "لیکن صاحب ولیم شیکسپیئر کیا کہے گا ؟"

جُولیٹ :۔ "میں کچھ نہیں سُنوں گی۔ مجھے فوراً طلاق چاہیئے۔"

رومیو :۔ "میں کچھ نہیں سُنوں گا۔ مجھے فوراً طلاق چاہیئے۔"

تیسرا منظر

(وہی کمرہ جو دُوسرے منظر میں تھا لیکن اِس وقت کمرے میں اندھیرا ہے اور ہمارا راوی اُسی طرح پہلے منظر کی جگہ پر دائیں ونگ کے قریب ایک تپائی پر ایک لیمپ شیڈ کے سامنے جھکا ہُوا ہے اور ایک کتاب پڑھ رہا ہے۔ پردہ اُٹھنے کے بعد کتاب سے نظریں اُٹھا کر تماشائیوں پر گاڑ دیتا ہے اور کہتا ہے ——)

www.taemeernews.com

ماہری :- میں نے اُن کا مقدمہ نہیں لیا۔ اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ آگے چل کے رومیو جولیٹ کا کیا ہوا۔ کیا انہوں نے طلاق لے لی؟ یا پھر وہ دونوں ایک ہو گئے۔ اور محبّت کی وادیوں میں کھو گئے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی تلخ کلامی نے ایک گہرا اثر میرے ذہن پر چھوڑا اور میں اس واقعے کے کئی دن بعد تک مضطرب اور پریشان سا رہا۔ کیونکہ اس واقعے نے میرے دل کے بہت سے رُومانی سپنے اور سہارے توڑ دیئے تھے

ایک روز میں اپنے کمرے میں بیٹھا بالکونی کے قریب کتاب پڑھ رہا تھا ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی جھکڑ بھی چل رہا تھا کبھی کبھی بجلی بھی کوند جاتی تھی۔ بہت خوشگوار سماں تھا۔ میں اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ یکایک بجلی کا ایک زور کا کوندا لپکا۔ اور میرے دروازے کے پٹ زور سے کھُل گئے۔ اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت دونوں پانی میں بھیگے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں بالکونی میں اندھیرے میں تھا اس لئے اُن کی نظر مجھ پر نہ پڑی۔"

(راوی کی لیمپ شیڈ کی بتی گُل ہو جاتی ہے۔ کمرے میں اندھیرا اور بڑھ جاتا ہے)

رانجھا :- (ہنس کر) "ہیر پیئے! شکر کہ اس کمرے کا دروازہ کھُلا تھا نہیں تو بارش اور جھکڑ سے بھیگ جاتے۔"

ہیر :- "یہ کمرہ کس کا ہے رانجھا؟"

رانجھا :- "کسی کا بھی ہو ہیر پیئے! اپنے کو کیا لینا۔ ذرا پل کی پل رُک جائیں گے۔ بارش

www.taemeernews.com

تھم جائے گی تو چلے جائیں گے"

ہیر :- "کہاں؟"

رانجھا :- "وہیں باہر فٹ پاتھ پر۔"

ہیر :- "رانجھے! میں اسی لئے تم سے کہتی تھی۔ اپنا گاؤں چھوڑ کر بمبئی مت چلو۔"

رانجھا :- "میرے گاؤں میں سب میرے دشمن تھے۔ کوئی مجھے نہیں چاہتا تھا تیرے سوا۔ وہاں اگر ہم رہتے تو ہماری محبت کبھی زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔"

ہیر :- "لیکن وہاں دو وقت روٹی تو ملتی تھی اور لسی بھرا چھنا اور مکھن سے بھرا ہوا کٹورہ اور سرسوں کا ساگ اور کھلی ہوئی فضا۔ اور تم کبھی جوگی بن کر میرے پاس آ جاتے تھے، تو میرے دل کے ہر گوشے میں رنگین تتلیاں سی اڑنے لگتی تھیں۔"

رانجھا :- "اور آج کل چوہے دوڑ رہے ہیں پیٹ میں (ہنس کر) سچ مچ میرے لسی پئے تو ایک عرصہ ہو گیا۔ سرسوں کا ساگ کھائے ہوئے کئی سال ہو گئے اور مکھن یعنی مسکہ تو یہاں کھایا نہیں جاتا۔ صرف خوشامد میں لگایا جاتا ہے۔"

ہیر :- "سچ مچ تم بہت دبلے ہو گئے ہو۔"

رانجھا :- "یاد ہے جب ہم پہلے دن اس شہر میں آئے تھے۔ تو لسی پینے کے لئے ایک حلوائی کی دوکان پر آئے تھے، اور اس سے لسی بنانے کو کہا تھا۔ اس نے پوچھا تھا لسی کتنے دہی کی بناؤں۔ میں نے کہا تھا، اس برتن میں جتنا دہی ہے سب کی بنا دو۔"

ہیر :- "اور وہ حلوائی یہ سنتے ہی غش کھا کے گر گیا تھا۔"

(دونوں ہنستے ہیں)

www.taemeernews.com

ہیر :۔ "یہاں اندھیرا بہت ہے رانجھا۔"

رانجھا :۔ "دیکھتا ہوں۔ بتی بجلی کہیں ہو گی (سوئچ دبا کر) لو روشنی بھی ہو گئی۔"

ہیر :۔ "یہ بجلی بھی خوب چیز ہے رانجھا۔ بٹن دباؤ اور روشنی ہو جاتی ہے۔ ہمارے زمانے میں بجلی نہیں تھی۔"

رانجھا :۔ "لیکن ہمارے زمانے میں بٹن دبانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ ہم ایک لمحے میں تیرے رُخِ روشن سے اپنے دِل میں اُجالا کر لیتے تھے۔ اور پھر اس روشنی پر کوئی ٹیکس بھی تو نہیں دینا پڑتا۔"

ہیر :۔ "رانجھا مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

رانجھا :۔ "تین دن سے میں نے بھی کچھ نہیں کھایا ہیر پیئے! تین دن سے ایسی لگاتار بارش ہو رہی ہے کہ کسی کام پر بھی نہیں جا سکتا۔ اس بارش کی وجہ سے بلڈنگ باندھنے کا کام بھی بند ہے۔ پہلے اینٹیں ڈھونے کی مزدوری تو مل جاتی تھی۔ اب وہ بھی بند ہے۔"

ہیر :۔ "غریب آدمی بارش میں کیا کرتے ہوں گے؟"

رانجھا :۔ "ہماری طرح بارش میں بھیگتے ہوں گے اور بھوکے رہتے ہوں گے۔"

ہیر :۔ "بڑی مصیبت ہے۔"

رانجھا :۔ "مصیبت تو ہے لیکن ہمت کرو تو بڑی سے بڑی مصیبت بھی کٹ جاتی ہے (ارے ہاں .... میں تو تم سے پوچھنا بھول ہی گیا۔ تم اس فلم کمپنی میں گئی تھیں؟"

ہیر :۔ "کس فلم کمپنی میں؟"

www.taemeernews.com

رانجھا :۔ "وہ جہاں ہیر رانجھے کا فلم بن رہا ہے یعنی اپنی محبت کی کہانی کا"
ہیر :۔ "ہاں گئی تھی"
رانجھا :۔ "ڈائرکٹر سے ملی تھیں؟"
ہیر :۔ "ہاں ملی تھی"
رانجھا :۔ "پھر ــــــ؟"
ہیر :۔ "وہ تو بہت ہی عجیب آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہاں تو سب کے سب بہت عجیب سے آدمی بیٹھے تھے۔ میں اندر داخل ہوئی تو مجھے ایسے گھورنے لگے جیسے گوالا بھوری بھینس کو دیکھ کر گھورتا ہے۔ ڈائرکٹر نے مجھ سے پوچھا ــــ"

(دیکایک ہیر گھوم کر اسٹیج کے مرکزی پردے کی طرف چلنے لگتی ہے۔ پردے کے قریب پہنچتے ہی پردہ اٹھ جاتا ہے اور وکیل کے سیٹ پہ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور پچھلے سیٹ پر روشنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک فلم کمپنی کا دفتر ہے۔ جہاں چھ سات آدمی ٹوٹے ہوئے پیالوں میں چائے پی رہے ہیں۔ چائے پلانے والا نوکر صورت سے بالکل دلیپ کمار معلوم ہوتا ہے۔ بیچ کی میز پر ایک فلم ڈائرکٹر بیٹھا ہے۔ اس نے آوارہ ٹائپ کی پتلون اور گہرے زرد رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی ہے صورت شکل سے وہ فلم ڈائرکٹر کم اور دارا سنگھ پہلوان کا اسسٹنٹ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ پردہ اٹھنے کے بعد وہ چائے پلانے والے نوکر سے کہتا ہے)

فلم ڈائرکٹر :۔ (صوفے پر بیٹھے ہوئے ایک گنجے آدمی سے) "صاحب کو ایک سنگل چائے مارو۔" (دوسرے آدمی سے مخاطب ہو کر) "ہاں بھئی کنڑ کم

www.taemeernews.com

آج فنانسر کے پاس بھی جانا ہے۔ سالے نے آج ڈیڑھ لاکھ دینے کا وعدہ تو کیا ہے۔ ایک چونی ہے تمہاری جیب میں؟ اِس چائے والے کو دے دو۔"

(ڈائرکٹر ایک سکہ نکال کر چائے والے کو دیتا ہے، چونکے کی طرف دیکھ کے کہتا ہے)

چائے والا دلیپ کمار:۔ "مگر یہ چونی تو کھوٹی ہے۔"

فلم ڈائرکٹر:۔ "کوئی بات نہیں۔ کل لے جانا۔ اور ہاں بھئی شرما جی! وہ ٹنگیٹو کا بندوبست کیا؟"

شرما جی:۔ "کل ہو جائے گا۔ بچو بھائی سیٹھ اگر بھوندو بھائی سے کہہ دیں گے تو کام ہو جائے گا۔"

فلم ڈائرکٹر:۔ "مگر بچو بھائی کیوں کہیں گے؟"

شرما جی:۔ "اُن کا راستہ بھی ڈھونڈ لیا ہے۔ وہ ہے نا اپنی سائیڈ ہیروئین مس مدھربالا"

(سب لوگ زور سے قہقہہ لگاتے ہیں۔ اب فلم ڈائرکٹر میز کے سامنے کھڑی ہیر کی طرف مخاطب ہوتا ہے)

فلم ڈائرکٹر:۔ "کیا کام ہے تم کو؟"

ہیر:۔ "پٹاخہ فلم کمپنی کا دفتر یہی ہے؟"

ڈائرکٹر:۔ "ہاں ہاں یہی ہے۔ پھر؟"

ہیر:۔ "سُنا ہے آپ ہیر رانجھا فلم بنا رہے ہیں؟"

ڈائرکٹر:۔ "ہاں ہاں بنا رہے ہیں۔ پھر؟"

www.taemeernews.com

ہیر :۔ "میں اس فلم میں کام کرنے آئی ہوں۔"

ڈائریکٹر :۔ "تم کو کیا کام آتا ہے؟ کبھی کسی فلم میں کام کیا ہے پھر؟"

ہیر :۔ "نہیں"

ڈائریکٹر :۔ "تم کو ناچنا آتا ہے؟"

ہیر :۔ "نہیں۔ لیکن ناچنے کی کیا ضرورت ہے ہیر تو نہیں ناچتی تھی۔"

ڈائریکٹر :۔ "تم کو کیسے معلوم ہے کہ نہیں ناچتی تھی۔ ہماری فلم میں تو وہ ناچتی ہے کتھک بھارت ناٹیم منی پوری سب ناچتی ہے۔ رمبھا سمبھا بھی ناچتی ہے۔"

ہیر :۔ "اُس زمانے میں رمبھا سمبھا نہیں تھا۔"

ڈائریکٹر :۔ "تم کو کیا معلوم ہے۔ ہمارا فلم رائٹر کیا گدھا ہے پھر؟ اُس نے دس کتاب دیکھ کے اس کا کہانی لکھا ہے۔ اچھا یہ بات چھوڑو۔ ہم تم سے مغز پچی نہیں کرے گا تم کو اس فلم میں کام کرنے کا ہے۔ ہم تم کو اس فلم میں ہیر کی ماں کا پارٹ دے گا۔ بولو منظور ہے؟"

ہیر :۔ "ہیر کی ماں کا؟ مگر میں ..... میں ہیر کی ماں کا پارٹ کیسے کرسکتی ہوں؟"

ڈائریکٹر :۔ "کیوں؟"

ہیر :۔ "کیونکہ میں خود ہیر ہوں۔"

ڈائریکٹر :۔ "ہیر ہا ہا ہا!! او مگن بھائی۔ کنڑ رکھہ۔ سُدھاکر۔ بلی موریا۔ محمود خاں ارے دیکھو خود ہیر ہماری فلم میں کام کرنے کو آئی ہے۔ ارے اس کی صورت دیکھو شکل دیکھو۔ رنگ روپ دیکھو۔ ارے یہ ہیر معلوم ہوتی ہے ہیر.....!"

(قہقہہ)

www.taemeernews.com

ہیر :۔ "ہاں ڈائریکٹر صاحب! سچ مچ میں ہیر ہوں ہیر۔ وارث شاہ کی ہیر! پانچ دریاؤں کی سرزمین کی ہیر محبت اور حسن کے لازوال گیتوں کی حسین ترین تعبیر!"

(فلم ڈائریکٹر اور اُس کے ساتھیوں کے طنزیہ قہقہے بڑھتے جاتے ہیں۔ ہیر کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے واپس آجاتی ہے اور پہلے سیٹ کی طرف بڑھتی ہے۔ پیچھے کی روشنیاں گُل ہو جاتی ہیں۔ غریب ہیر اپنے پہلے سیٹ میں واپس آتی ہے مرکزی پردہ گر جاتا ہے اور اب وہ اپنی آنسوؤں بھری آنکھوں سے چُپ چاپ رانجھے کی طرف دیکھ رہی ہے۔)

رانجھا :۔ (آبدیدہ ہو کر) "وہ لوگ تمہارے حُسن کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہیر کے حُسن کو کوئی رانجھا ہی دیکھ سکتا ہے۔" (ہیر سسکیاں لیتی ہے۔ رانجھا اُس کے قریب آجاتا ہے۔)

رانجھا :۔ "وہ لوگ محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ محبت کو ایک فیتے کی طرح لپیٹ کر بازار میں بیچنے والے ہیں بس اپنے آنسو پونچھ ڈال۔"

ہیر :۔ "سچ کہتی ہوں رانجھیا۔ مجھے زور کی بھوک لگی ہے۔ اب صبر نہیں ہو سکتا۔"

رانجھا :۔ "دیکھتا ہوں۔ شاید یہاں پھل مل جائے لیکن یہاں ملے گا کیا۔ یہاں تو سب کاغذ ہی کاغذ ہیں۔ کوئی بھُو کا ڈھیل معلوم ہوتا ہے۔"

(کھڑ بڑ کی آواز)

رانجھا :۔ "مل گیا۔ مل گیا! آخر کچھ کھانے کو مل گیا!"

ہیر :۔ "کیا ہے؟"

www.taemeernews.com

رانجھا :- "ڈبل روٹی جسے بمبئی کے لوگ پاؤ کہتے ہیں۔ حالانکہ وزن میں ایک چھٹانک بھی نہیں ہے۔"

ہیر :- "مجھے دو!"

رانجھا :- "ہیر یئے ذرا ٹھہر!"

ہیر :- "جلدی سے دو جلدی۔" (روٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہے)

رانجھا :- "ذرا ٹھہر ہیر یئے، ذرا سوچنے دے ہیر یئے، یہ تو جانتی ہے ہم یہاں صرف بارش سے پناہ لینے کے لئے آئے تھے۔"

ہیر :- "ہاں لیکن یہ ڈبل روٹی؟" (پھر روٹی کی طرف بے قرار ہو کے بڑھتی ہے۔ رانجھا پیچھے ہٹ جاتا ہے)

رانجھا :- "ذرا ٹھہر۔ اور یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔ تو جانتی ہے۔"

ہیر :- "لیکن یہ روٹی جلدی سے دے دے۔ میں تین دن سے بھوکی ہوں۔"

رانجھا :- "لیکن یہ چوری ہوگی ہیر یئے۔ اگر ہم یہ ڈبل روٹی کھائیں گے تو یہ چوری ہوگی۔"

ہیر :- "لیکن مجھے بھوک لگی ہے رانجھا!"

رانجھا :- "تجھے میری محبت کی قسم ہیر یئے! یہ روٹی نہ کھا۔"

ہیر :- "اب میں کوئی قسم نہیں کھاؤں گی رانجھیا! میں تو صرف روٹی کھاؤں گی جلدی سے یہ روٹی دے دے۔"

(ہیر آگے بڑھ کے جھپٹ کر روٹی چھین لیتی ہے)

رانجھا :- "نہیں نہیں ہیر یئے۔ دیکھ وہ سامنے دیوار پر ہم دونوں کی تصویر لگی ہے۔ کوئی بھلا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی بھوک، افلاس، بیکاری اور خود غرضی کے زمانے میں اس نے ہماری تصویر لگا رکھی ہے۔ دیکھ یہ آدمی کتنی عزت کرتا ہے ہماری

www.taemeernews.com

محبت کی۔ ہم اس کے گھر میں چوری نہیں کریں گے۔ لا مجھے روٹی واپس کر دے۔
میں اِسے اسی دراز میں رکھے دیتا ہوں جہاں سے اسے اُٹھایا ہے۔"

(ہیر کبھی روٹی کبھی دیوار سے لگی ہوئی تصویر کی طرف دیکھتی ہے۔ آخر میں روٹی واپس کر دیتی ہے۔ رانجھا میز کی دراز کھول کر اس میں روٹی رکھ دیتا ہے۔ ہیر سسکیاں لیتی ہے)

رانجھا :۔ "نہ رو ہیر یے۔ میری اپنی ہیر یے! یہ بارش تھم جائے گی۔ پھر مجھے کہیں نہ کہیں کام مل جائے گا۔ پھر ہم دونوں پیٹ بھر کے کھانا کھائیں گے۔"

(بارش اور طوفان کی آواز باہر سے آتی ہے۔ کھڑکیاں بجنے لگتی ہیں)

ہیر :۔ "یہ بارش کبھی نہیں تھمے گی۔ یہ طوفان کبھی ختم نہ ہو گا۔ ہم سدا بھوکے رہیں گے۔"

رانجھا :۔ "نہیں! ایک دن یہ بارش تھم جائے گی۔ ایک دن یہ طوفان ختم ہو جائے گا۔ ایک دن یہ بادل چھٹ جائیں گے۔ اور سورج کی روشنی ساری زمین کے سارے آنسو چوس لے گی۔ اس دن کوئی بھوکا نہ ہو گا۔ کوئی کسی کی ڈبل روٹی نہ چرائے گا۔ اس دن سارے جذبے اور ساری آرزوئیں اور ساری محبتیں مکمل ہو جائیں گی۔"

(رانجھا بہت پیار سے ہیر کو اپنے بازوؤں کا سہارا دیتا ہے۔ دونوں دروازے کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ اندھیرے میں اُجالا آنے لگتا ہے۔ روشنی کی ایک کرن بالکنی سے بڑھتے ہوئے دیوار پر لگی ہوئی ہیر رانجھے کی تصویر کے گرد ایک منور ہالہ سا بنا دیتی ہے!)

(پردہ)

✖

www.taemeernews.com

بھگوان کی آمد

میں اُس روز چاندنی چوک میں کھڑا ہُوا ایک مجمع باز کی دلچسپ باتیں سُن رہا تھا جو ایک ہجوم کو اکھٹا کئے، ایک تانگے کے اُوپر کھڑا ہو کر سر کے بالوں کے لئے جہاز مارکہ خوشبُودار تیل کے فائدے بتا رہا تھا۔

"حضرات! یہ تیل نہیں ہے۔ بالوں کے لئے آبحیات ہے۔ سر پر لگاؤ تو بال اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ سر، سر نہیں، افریقہ کا جنگل معلوم ہونے لگتا ہے۔ حضرات اِس تیل سے بال کالے، لانبے اور گھنگریالے ہو جاتے ہیں۔ خواتین کے لئے گارنٹی ہے۔ ایک مہینہ بھر میں اِس تیل کو لگایئے اگر بال لانبے ہو کر کمر سے نیچے نہ اُتر آئیں تو دام واپس۔ خواتین، حضرات، یہی وہ مشہُور و معرُوف جہاز مارکہ خوشبُودار تیل ہے جس کا اشتہار امریکہ

www.taemeernews.com

گورنمنٹ نے اپنے ملک میں بند کر رکھا ہے۔"

مجمع میں سے ایک آواز آئی ـــــ "کیوں ؟"

مجمع باز چلایا ـــــ "کیونکہ امریکہ میں سب عورتیں بال کٹاتی ہیں اور امریکی گورنمنٹ کا خیال ہے کہ اگر یہ تیل ہندوستان سے امریکہ پہنچ گیا تو اُس مُلک کے سارے حجّام بیکار ہو جائیں گے۔ اِس لئے جلدی کیجئے۔ اصلی جہاز مارکہ خوشبودار تیل کی شیشی خریدیئے چار چار آنے ......"

اِتنے میں دُوسری طرف سے آواز آئی ـــــ "بھگوان آگئے! بھگوان آگئے!!"

میں نے اور میرے ساتھ اور دُوسرے لوگوں نے بھی پلٹ کر دیکھا۔
ایک تانگے میں ایک آدمی اپنے مُنہ پر گتّے کا ایک بُہت بڑا بھونپو رکھے چلّا رہا تھا

"دہلی نواسیو! آپ کی خوش قسمتی ہے کہ مہرولی میں بھگوان نے اوتار لے لیا ہے۔ آپ کی اپنی ـــــ دہلی اسٹیٹ میں بھگوان کا جنم ہوا ہے۔ آپ اِس وقت جہاں بھی کھڑے ہیں رُک جائیے۔ کیونکہ بھگوان کا جلوس آ رہا ہے بھگوان کے درشن کیجئے اور اُن کی بال لیلائیں دیکھیے۔ بھگوان آ رہے ہیں، بھگوان آ رہے ہیں۔"

پہلے تانگے والا آدمی آگے بڑھ گیا۔ اُس کے بعد ایک اور تانگے پر ایک اور اعلان کرنے والا شور مچاتا ہوا آیا۔ وہی گتّے کا بھونپو اُس کے پاس بھی تھا۔ اور اُس نے تانگے کے دونوں طرف ہندی کے بڑے بڑے پوسٹر باندھ رکھّے تھے۔ جن پر سنسکرت کے کچھ اشلوک لکھے تھے۔

www.taemeernews.com

"دہلی نواسیو! بھگوان آگئے۔ ساکشات بھگوان کے درشن کرو۔ ابھی اُن کے درشن کرو۔ اُن کا جلوس دہلی کے ہزاروں نرناریوں کی سنگت میں پیچھے پیچھے آرہا ہے چاندنی چوک میں بھگوان کے درشن کیجئے۔ اور کل راجپھد روڈ کوٹھی نمبر ۴ شریمان ولایتی رام گپتا کی کوٹھی میں بھگوان کی بال لیلائیں دیکھئے۔"

اس کے بعد یہ تانگے والا بھی گزر گیا۔ اِس کے بعد ایک ٹرک آیا جس کے اندر مائیکروفون سے ایک آدمی یہی اعلان کر رہا تھا۔ اصلی جہاز مارکہ خوشبودار تیل والے کا مجمع بکھر گیا۔ اُس نے بھگوان اور اُس کی پبلسٹی کرنے والوں کو ایک موٹی سی گالی دی جس نے اُس کا سب بزنس چوپٹ کر دیا تھا۔ آخر بھگوان کو اِسی وقت آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب وہ دو گھنٹے کی چیخ پکار کے بعد اِس قابل ہوا تھا کہ مجمع میں اچھے چھوٹے، وائٹ آئل، اور سنگترے کی خوشبو والا مرکب سیال چار چار آنے میں بیچ سکے۔ کیا بھگوان کی آمد کا یہی وقت رہ گیا تھا؟ کیا وہ کسی اور وقت نہیں آسکتے تھے لیکن مجھے یا میری طرح چاندنی چوک کے دوسرے راہگیروں کو اب کسی مجمع باز سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ آج دُنیا کا سب سے بڑا مجمع باز خود چاندنی چوک میں آرہا تھا۔ اس لئے خوشبودار تیل بیچنے والوں اور اصلی گلابی گنڈیری بیچنے والوں اور لاہوری گیٹ لاہور کے آلو کلچے چھولے بیچنے والوں، اور نقلی ملائی کی اصلی برف بیچنے والوں کو اپنی ریڑیاں پیچھے ہٹا کر بے کار بیٹھ جانا پڑا۔ چاندنی چوک میں اِس سرے سے اُس سرے تک سارا ٹریفک رُک گیا۔ دو رویہ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے

تھوڑی دیر کے بعد چاندنی چوک میں بھگوان کا جلوس آپہنچا۔ سب سے آگے پولیس تھی۔ پولیس کے سپاہیوں کے پیچھے پیچھے کوئی دو سو کے قریب سادھو

www.taemeernews.com

ہوں گے۔ اس کے بعد تین بیل گاڑیاں آئیں۔ یہ بیل گاڑیاں ریشمی کپڑوں سے سجی ہوئی تھیں۔ بیل بہت خوبصورت تھے۔ اُن کے گلے میں ہار پڑے ہوئے تھے۔ ماتھے پر سیندور لگا تھا اور پاؤں میں گھٹنوں تک مہندی لگی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں کاجل تھا کہ نہیں، یہ میں معلوم نہ کر سکا۔ اُن تینوں بیل گاڑیوں کے اُوپر خوبصورت چھتر بنے ہوئے تھے۔ جیسے پُرانے زمانے میں رتھوں پر ہُوا کرتے تھے۔ اب اُن رتھ نما بیل گاڑیوں میں بھگوان بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر کس میں؟ کیونکہ تین تو بیل گاڑیاں تھیں اور بھگوان ایک تھے!

مجمع میں سے کسی نے کہا ———

"وہ اگلی بیل گاڑی میں بھگوان کے والد بزرگوار بیٹھے ہیں۔ اور اُن کے بڑے بھائی اور ماما۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہے؟" دُوسرے نے پہلے سے پُوچھا۔

پہلے نے کہا ——— "مجھے معلوم ہے۔ یہ مہرولی کا بنیا ہے جس کے گھر بھگوان نے جنم لیا ہے۔ میں بھی مہرولی کا رہنے والا ہُوں۔"

دُوسری بیل گاڑی جو پہلی سے زیادہ سجی ہُوئی تھی اُس میں بھگوان کی ماں جی، موسی جی، پھوپی جی، چاچی جی اور اُن کی سوتیلی ماں بیٹھی تھیں۔ کیونکہ بنئیے نے دو شادیاں کر رکھی تھیں۔ تیسری گاڑی میں ساکشات بھگوان تھے۔ مور مکٹ اور پیتامبر پہنے ہوئے، گلے میں موتیوں کی مالا ڈالے ہوئے پانچ سال کے بھگوان، واقعی بہت خوبصورت بھگوان تھے۔ ہاتھ میں بنسری لئے ہوئے جب کبھی وہ بھگوان کرشن کا سا پوز دیتے تھے تو واقعی بہت حسین معلوم ہوتے تھے۔ اُنہیں ایک اُدھیڑ سے پلیٹ فارم

www.taemeernews.com

پر کھڑا کرایا گیا تھا۔ اور اُن کے پیچھے ایک سادھو بیٹھا ہوا چنور جھل رہا تھا بھگوان کی بڑی بڑی مست آنکھیں اور اُن کا سُندر پیارا پیارا مُکھڑا ......

"واقعی۔ لڑکا خوبصورت ہے ....." ایک مُسلمان نے اپنی ٹوپی اُتار کر سر کھجاتے ہُوئے کہا۔

تین چار ہندوؤں نے اُسے غُصّے سے گھُور کر جو دیکھا تو بے چارہ جلدی سے ٹوپی پہن کے وہیں مجمع میں کہیں غائب ہوگیا۔ خیر گزری۔ ورنہ ....

تیسری بیل گاڑی کے پیچھے بھگوان کے ہزاروں بھگتوں کی ٹولیاں تھیں کوئی بھجن گا رہا تھا۔ کوئی سر ہلا رہا تھا۔ کوئی کھڑتال بجا رہا تھا، کوئی ڈنڈے پر ڈنڈا مار کر ناچ رہا تھا۔ جلوس کے آخر میں ہر ایک ٹرک میں مائک پر اعلان ہو رہا تھا ...

"کل راجپور روڈ کوٹھی نمبر چار میں شری ولایتی رام گپتا کے ہاں بھگوان کے درشن کیجئے اور اُن کی بال لیلائیں دیکھئے۔"

دُوسرے دن سارا شہر کوٹھی نمبر ۴ میں اُمڈ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ شہر کے لوگوں کو بھگوان کو دیکھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے۔ پولیس کا انتظام بہت اچھا تھا اور ٹھنڈے شربت کی سبیلیں بھی خاطر خواہ کام کر رہی تھیں۔ جو لوگ بھگوان کے درشنوں کی پیاس لے کے آئے تھے وہ سب سے پہلے ٹھنڈے شربت سے اپنی پیاس بُجھاتے تھے۔ اور پھر کوٹھی کے اندر جاتے تھے۔ کوٹھی کے اندر باغ میں ایک بہت بڑے شامیانے کے نیچے بھگوان گیتا سامنے کھڑے اُپدیش کر رہے تھے سنسکرت میں

"یدا یدا ہی دھرمسیہ گلانر بھوتی بھارتے

جب جب بھارت میں دھرم کی گلانی ہوتی ہے، مَیں جنم لیتا ہُوں۔"

www.taemeernews.com

"حیرت ہے صاحب !" میری طرح ہزاروں شہری حیرت زدہ تھے "پانچ برس کا بچّہ اور یوں گیتا کے اشلوک پڑھے اور وہ بھی سنسکرت میں اور وہ بھی یوں فرفر..."

"ارے اُچارن تو دیکھیئے کتنا شُدھ ہے !"

"اُس مہرولی کے بنئے کی تو قسمت جاگ گئی۔"

"ارے جس کے گھر بھگوان جنم لیں اُس کے گھر کی تو سات پُشتیں پاک ہو جاتی ہیں۔"

لوگ اشلوک سُن رہے تھے اور ماتھا ٹیک رہے تھے۔ اور دھڑا دھڑ نذرانے گزار رہے تھے۔ عورتیں اپنے زیور اُتار اُتار کر دے رہی تھیں۔ مارے خوشی کے اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آج بھگوان اُن کے سارے دُکھ درد دُور کرنے کے لئے اُن کے درمیان آگئے تھے۔

بھگوان اشلوک پڑھ رہے تھے۔ سادھوؤں کے چنور ہل رہے تھے بھگتوں کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ روپوں کے ڈھیر اُونچے ہو رہے تھے۔

"ہمارے محلّے کی عورتیں بھگوان کی آمد سے بہت خوش ہیں۔"

"اجی گھور انرتھ آگیا تھا دُنیا میں۔"

"یہ کمیٹی والے جینے بھی نہیں دیتے تھے کسی کو۔ میرے مالک کی دکان کے آگے کا چھجا ہٹانے کو کہہ رہے تھے۔"

"اُس بدرد کا حال تو دیکھو، جو ہماری گلی میں سے گزرتی ہے۔ ناک پر کپڑا رکھ کے بھی گزرا نہیں جاتا۔"

"گھر میں بہو کو دیکھو بڈھے چکّی سے کوئی غرض نہیں بس ہر وقت سنیما جانے

www.taemeernews.com

کی پڑی ہے"۔

"میں نے سنا ہے، وہ رام دتہ مل کی جو لڑکی ہے نا شما! شما! ۔ وہ گھسیٹے دھوبی کے لڑکے کے ساتھ ..... ہی ہی ہی ..... !

"ہے رام ..... گھور کلجگ ..... گھور کلجگ ....."

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا"

محلے میں ست سنگ کا کام بہت بڑھ گیا۔ محلے کے پاس ہی گوسائیں جی کا مندر تھا۔ وہاں کا چڑھاوا ایک لخت دُگنا ہو گیا۔ درشن کرنے والوں کی تعداد چوگنی ہو گئی۔ جسے دیکھو جنیو لٹکائے پھرتا ہے اور یوگ ابھیاس کی باتیں کر رہا ہے یا سر نیچا کئے شیر شک آسن جما رہا ہے۔ یا سوامی وویکا نند کی کتاب بغل میں دبائے گھوم رہا ہے۔ عورتوں نے گھر کا کام کاج بہت کم کر دیا۔ نوکروں اور نوکرانیوں کے لئے کام بہت بڑھ گیا۔ کیونکہ گھر کی مالکنیں ہری بھجن میں معروف ہو گئیں، تو اس کا نزلہ کہیں نہ کہیں تو گرے گا۔ جب سے بھگوان اس شہر میں وارد ہوئے تھے ہمارے گھر کی نوکرانی اتنی پریشان ہو گئی تھی۔ پہلے اُسے صرف برتن مانجھنے پڑتے تھے اور کپڑے دھونے پڑتے تھے۔ اب اُس سے کھانے پکانے کا کام بھی لیا جانے لگا۔ اور جب مرد دفتر کو چلے جاتے اور عورتیں ست سنگ میں چلی جاتیں تو رتنی کو گھر کی حفاظت کا کام بھی سونپ دیا جاتا۔ پہلے رتنی کو دن میں تین چار گھنٹے ایسے مل جاتے تھے جن میں وہ محلے کے پچھواڑے کے جھونپڑوں میں جاکر جہاں اُس کا شوہر جھلی والا رہتا تھا، ایک وقت کا کھانا پکا لیتی تھی، جو دو وقت کام آتا تھا۔ اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی تھی جو ابھی ایک سال کا تھا لیکن جب سے یہ بھگوان

www.taemeernews.com

آئے تھے۔ اس غریب کی پریشانیاں بڑھ گئی تھیں۔ کام دُگنا ہو گیا تھا لیکن تنخواہ وہی دس کی دس تھی لیکن یہ دس روپے بھی بہت ضروری تھے یہاں سے جھونپڑے کا کرایہ نکلتا تھا۔ اس لئے کام دُگنا ہونے کے بعد بھی وہ اس کام کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ حالانکہ کبھی کبھی اُس کا بچّہ دُودھ کے بغیر روتا رہتا تھا۔ اور کبھی کبھی اُس کے شوہر کو اپنے لئے کھانا تیار کرنا پڑتا تھا جس سے وہ جھنجھلا کے کبھی کبھی رتنی کو پیٹ دیتا۔ رتنی اپنے شوہر کی بہت پیاری تھی۔ اور آج تک کبھی اپنے شوہر سے نہ پٹی تھی لیکن جب سے بھگوان آئے تھے .....

ہمارے گھر سے لگے ہوئے گھر میں مُولراج ہیڈ کلرک اپنی بیوی رام رکھی اور اپنے بیٹے گھسیٹا رام اور اپنی لڑکی مکھنی کے ساتھ رہتا تھا۔ گھسیٹا اب کے چھٹی میں فیل ہوا تھا۔ اُسے کنکوّے اُڑانے اور تاش کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ مکھنی کی ناک اکثر بہتی رہتی تھی۔ اُس کا جی بھی اسکول میں نہیں لگتا تھا۔ اُس کا بس چلتا تو وہ ایک گائے ہوتی جو ایک کھلے میدان میں گھاس چرا کرتی۔ یا وہ حلوائی ہوتی اور دن بھر دُودھ میں جلیبی ڈال کے کھاتی۔ یا وہ .... یا وہ ..... بھگوان ہوتی ....

پتہ نہیں یہ کیسے ہُوا لیکن جب سے دہلی میں بھگوان آئے تھے۔ اُس کے تین چار روز بعد ہی مُولراج کی بیوی رام رکھی روتی دوڑتی ہمارے گھر آئی اور میری موسی سے کہنے لگی۔

"مکھنی دیوی ہو گئی ہے!"

"دیوی!" میری موسی نے گھبرا کے پُوچھا۔ "دیوی؟ —— وہ کیسے؟"

www.taemeernews.com

"پتہ نہیں۔ تم خود چل کے دیکھ لو۔"

میری موسی دَوڑی دَوڑی رام رکھی کے گھر گئی۔ دہاں محلّے کی اور بہت عورتیں بھی جمع تھیں۔ اِن سب کے بیچ میں مکھنی ایک چھوٹی قمیص اور چھوٹی سی ٹخنوں سے اُونچی شلوار پہنے ہوئے آنکھیں بند کئے دائیں بائیں جھوم رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی ——

"ہے پران ناتھ! میں تمہاری پتنی ہوں۔ اردھانگنی ہوں۔ مجھے بھی بنوں میں اپنے ساتھ لے چلو۔ یدی تم مجھے ایودھیا میں اکیلا چھوڑ جاؤ گے تو لوٹنے پر مجھے زندہ نہ پاؤ گے —— ہے پران ناتھ!"

میری موسی نے چلّا کے کہا ——

"یہ تو ساکشات سیتا ہے سیتا! یہ تو رامائن کا پاٹھ کرتی ہے۔"

اور اُس نے وہیں گھٹنے ٹیک کے سب کے سامنے اُس سات سال کی بچّی کے سامنے اپنا ماتھا ٹیک دیا۔ میری موسی کو محلّے کی عورتیں بہت مانتی ہیں۔ اس لئے جونہی اُنہوں نے میری موسی کو ہاتھ جوڑتے اور ماتھا ٹیکتے دیکھا وہ بھی شری رام شری رام کہتے ہوئے جھک گئیں۔ اور مکھنی کے آگے ماتھا ٹیکنے لگیں۔ اور پیسے نچھاور کرنے لگیں۔ اور گردھاری لال اسٹینوگرافر کی بیوی جو مکھنی کو پہلے کبھی اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیا کرتی تھی، اُسے ہمیشہ مکھنی ہرجائی کہہ کر پکارا کرتی تھی۔ اب ہاتھ جوڑ کر اُس سے پوچھنے لگی ——

"دیوی تم کیا کھاؤ گی؟"

مکھنی نے بلا تکلف جواب دیا —— "دودھ جلیبی!"

رام رکھی بہت خوش تھی۔ اُس کی بیٹی دیوی ہو گئی تھی۔ محلّے کی عورتیں، اور

www.taemeernews.com

آس پاس کے محلوں کی عورتیں بھی درشنوں کے لئے آرہی تھیں۔ رام رکھی کا شوہر اس بھیڑ بھاڑ سے بہت گھبراتا تھا۔ لیکن روز چار پانچ روپے کا چڑھاوا آرہا تھا۔ اسلئے وہ بھی چپ ہو گیا۔ اس سے پہلے جب مکھنی سکول نہیں جاتی تھی، اور اپنی ماں کے قابو میں نہیں آتی تھی تو وہ اسے پیٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ مکھنی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ مکھنی اب دیوی ہو گئی تھی۔ اور دن رات دودھ جلیبی کھاتی تھی۔ اور بہت خوش تھی۔ مکھنی کو دودھ جلیبی کھاتے دیکھ کر صرف ایک شخص خوش نہیں ہوا۔ وہ اس کا بھائی گھسیٹا تھا۔ اس نے اکیلے میں مکھنی سے دودھ جلیبی چھیننے کی کوشش بھی کی تھی۔ اور مکھنی نے بالکل معمولی سی لڑاکا لڑکیوں کی طرح چھینا جھپٹی کرتے ہوئے سیتل کے انداز کو بھول کر اس کے رخساروں پر اپنے ناخن چبھو دیئے تھے اور گھسیٹا نے درد سے بلبلا کر اس کی چٹیا پکڑ لی تھی۔ اور عین ممکن تھا کہ وہ اسے اسی حالت میں پکڑ کر گھر سے باہر لے جاتا، کہ اتنے میں رام رکھی نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے مکھنی کو چھڑا کر گھسیٹا کے سر پر ایک دھپ جمائی اور اسے گھر سے باہر نکال دیا۔

گھسیٹا دن بھر محلے کے لڑکوں میں پتنگ اڑاتا رہا۔ تاش کھیلتا رہا۔ اور بھٹیلدن کی پگلی ماں کو چونی آیا، چونی آیا کہہ کر چھیڑتا رہا۔ اور پگلی "چونی تیرا باپ" کہہ کر اسے گالیاں دیتی رہی۔ چونی کون تھا، اس کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ لڑکے اتنا جانتے تھے کہ پگلی چونی آیا کہنے سے چڑ جاتی ہے۔

سہ پہر کے قریب جب گھسیٹے کو بہت بھوک لگی تو وہ اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اس وقت گھر میں بڑی بھجن ہو رہا تھا۔ اور عورتیں ڈھولک، کھڑتالیں، چمٹے

www.taemeernews.com

اور کانسی کے کٹورے لئے تیرو رام، برو رام، تیرو رام، برو رام گا رہی تھیں، کہ اتنے میں گھسیٹا داخل ہوا اور آتے ہی چلا کر کہنے لگا ـــــــ

" عورتو! سر پر دوپٹہ رکھو .... کیا کرتی ہو، راستہ دو شری رام آ رہے ہیں۔"

گھسیٹا شری رام بن گیا تھا۔

پورے شہر پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ راجپور روڈ پر اگر بھگوان براجمان تھے تو کوچہ پنڈت میں شری رام اور سیتا پدھارے تھے۔ پھر ہم نے سنا کہ قرول باغ میں شری کرشن بھگوان نے جنم لیا ہے۔ دن بھر دھارمک جلوس نکلتے تھے بسا دھوؤں کی ٹولیاں سڑکوں پر گھومتی تھیں۔ رات کو راس لیلائیں، رام ناٹک اور مہابھارت کے کھیل، کھائے جاتے تھے۔ "ملاپ" اور "پرتاپ" نے اس موقعہ پر خاص ایڈیشن شائع کئے۔ اور بڑے بڑے لیڈروں کے پیغام چھاپے۔ کتابیں بیچنے والوں کا اندازہ تھا کہ مذہبی کتابوں کی مانگ پہلے سے چوگنی ہو گئی ہے۔ ایک عجیب خوبصورت پیاری سی دھارمک فضا قائم ہو گئی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر آج نہیں تو کل بھگوان وہ چمتکار کر دکھائیں گے جس سے دہلی والوں کے سارے کشٹ دور ہو جائیں گے۔

وہ چمتکار ۹ جنوری ۱۹۵۵ کو ہوا یعنی بھگوان کی آمد کے پندرہ دن بعد جب دلّی کی پولیس نے بھگوان کو اور اُن کے والد بزرگوار یعنی مہر دلی کے بنئے کو اور اُن کے سب رشتہ داروں کو جعل سازی کے جرم میں گرفتار کیا۔ گرفتاری شری

www.taemeernews.com

ولایتی رام گپتا کے بیٹے نوین چند گپتا کے کہنے پر عمل میں لائی گئی تھی۔ نوین چند کا نام گو اپنے باپ کی طرح ولایتی نہیں تھا لیکن وہ ایک پڑھے لکھے آدمی تھے۔ انہوں نے کئی روز کے مشاہدے کے بعد اندازہ لگایا کہ یہ پانچ سالہ بھگوان صرف گیتا کے چند اشلوک جانتا ہے۔ اور وہ بھی زبانی۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا۔ بھگوان ، بھگوان ہو کر سنسکرت سے بے بہرہ تھے۔ اس سے نوین چند کا شبہ قوی ہو گیا۔ پھر ایک روز نوین چند نے ایک عجیب موقعے پر بھگوان کو اپنے پتا سے ایک عجیب درخواست کرتے ہوئے دیکھ لیا۔

بھگوان کہہ رہے تھے ــــــــ

"پتا جی مجھے سخت پیشاب لگ رہا ہے۔ یہ لانگوٹی کھول دیجئے۔"

لیکن بھگوان کا پتا اس وقت چڑھاوے کے روپے گننے میں مصروف تھا۔ اس نے کہا ــــــــ

"ٹھہرئے!"

"لیکن پتا جی مجھے سخت ...."

"ذرا دم لے۔ میں یہ روپے گن لوں۔"

بھگوان تو دم لے لیتے لیکن پیشاب انہیں دم نہیں لینے دیتا تھا۔ اس لئے انہوں نے وہیں پیشاب کر دیا۔ بھگوان کا پتا بہت خفا ہوا۔ بھگوان آخر بچے ہی تھے۔ پتا کا طمانچہ کھا کر بھگوان رونے لگے۔ اس موقعے پر نوین چند نے آ کے مہرولی کے بنئے کو پکڑ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔

پولیس کو تحقیقات سے پتہ چلا کہ جس دن سے مہرولی کے بنئے نے دوسری شادی

www.taemeernews.com

کی تھی، اُس کی پہلی بیوی اپنی سَوت کو نیچا دکھانے کی فکر میں تھی۔ کیونکہ بنیا دُوسری بیوی کو بہت چاہتا تھا۔ سوچ سوچ کر اُس نے یہ ترکیب نکالی، کہ اپنے بیٹے کو گیتا کے چند اشلوک سکھا کر اُسے بھگوان بنا دیا۔ لڑکا خوبصورت تھا۔ اور رام لیلا دیکھ کر کچھ اور بھی سمجھدار ہو گیا تھا۔ بات چل نکلی۔

جس روز بھگوان اپنے والد سمیت گرفتار ہوئے، اُس رات کو مُولراج ہیڈ کلرک نے دھر کے اپنے نالائق بیٹے کو پیٹا۔ اور مکھنی کو بھی چٹیا پکڑ کر فرش پر گھسیٹا۔ آخر دونوں بچوں نے اقبال کر لیا کہ ایک نے دُودھ جلیبی کھانے کے لئے اور دُوسرے نے پہلے کو دُودھ جلیبی کھاتے دیکھ کر حسد سے بھگوان بننے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اب انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر توبہ کی کہ اب وہ کبھی بھگوان نہیں بنیں گے۔ اور دُوسرے دن مُولراج اپنے بیٹے گھسیٹے اور مکھنی کو نئے کپڑے پہنا بستہ بغل میں دے کر خود اسکول لے گیا۔ اور ہیڈ ماسٹر سے کہا کہ اگر یہ دونوں بچے اسکول میں کوئی شرارت کریں یا اسکول سے کبھی غیر حاضر رہیں تو اُسے فوراً اطلاع دی جائے۔ وہ اُن کا مناسب بندوبست کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گا۔

ہمارے محلّے سے رام اور سیتا چلے گئے ہیں۔ راجپور روڈ سے بھگوان الوپ ہو گئے ہیں۔ قرولباغ کے کرشن بھگوان کے متعلق بھی اب کوئی بات سُننے میں نہیں آتی۔ شہر میں اب دھرم کرم کا چرچا بھی کم ہوتا ہے۔ مذہبی کتابوں کی مانگ بھی گھٹ رہی ہے۔ بے کار سادھوؤں کے جلوس بھی اب دکھائی نہیں دیتے۔ لوگ دن رات اپنے کام کاج میں مشغول رہنے لگے ہیں۔ وہ چہل پہل گہما گہمی سب غائب ہو چکی ہے۔ ہمارے محلّے کی

www.taemeernews.com

عورتیں بہت اُداس اور افسردہ رہنے لگی ہیں بھگوان کے چلے جانے کا سب کو غم ہے اور اگر غم نہیں ہے تو صرف رتنی کو۔ جب سے موسی پھر کھانا پکانے لگی ہیں، اُسے چند گھنٹے مل جاتے ہیں جس میں وہ اپنے جھونپڑے میں جا کر اپنے بچّے کو دودھ پلا سکتی ہے اور اپنے شوہر کے لئے کھانا پکا سکتی ہے بھگوان اگر تم سدا کے لئے الوپ رہو تو کتنا اچھا ہے۔

لیکن موسی گاجروں کا حلوا بناتے بناتے سوچتی ہیں —— بھگوان اب کہاں آئیں گے؟ پٹیل نگر میں یا لاجپت نگر میں۔ یا ڈپلومیٹک کالونی میں؟ دلّی میں کس جگہ آئیں گے میرے بھگوان!

اور رتنی برتن مانجھتے مانجھتے سوچتی ہے، میرے بھگوان! تم کتنے نکھٹو ہو۔ تم یا تو کسی راجہ کے گھر پیدا ہوتے ہو۔ یا کسی امیر بنئے کے گھر یا کسی کھاتے پیتے ہیڈ کلرک کے گھر، تم آج تک کسی برتن مانجھنے والی کے گھر پیدا نہ ہوئے جس کا شوہر سبزی منڈی میں ٹھیلی اُٹھاتا ہے جس کا بھائی سڑکوں پر تپ دق کا خون تھوکتا پھرتا ہے۔ اور جس کا بچّہ دودھ اور دوا نہ ملنے سے بلک بلک کر مر جاتا ہے۔ تم کسی ایسے تاریک جھونپڑے میں تو آ کے دیکھو میرے امیر، کھاتے پیتے سنسکرت بولنے والے بھگوان!

✲

www.taemeernews.com

دلیپ کمار کا نائی

میں اپنی لانڈری میں لالہ ہر پرشاد کے لڑکے بنسی پرشاد کی نئی ریشمی قمیص پر استری پھیر رہا تھا جو اُس نے پچھلے ہفتے اپنی شادی کے موقع پر سلوائی تھی، کہ اتنے میں میرا نوجوان ملازم فضلو آہستہ آہستہ سیٹی بجاتا ہوا دوکان کے اندر داخل ہوا، تو میں اُسے دیکھتے ہی بھونچکا رہ گیا۔ کیوں کہ فضلو بہت ہی سیدھا سادا احمق لڑکا ہے جیسا کہ لانڈری والے کے ملازم کو بلکہ ہر ملازم کو ہونا چاہیئے۔ اسی لئے تو جب میں نے فضلو کے سر کی طرف دیکھا تو سکتے میں آگیا۔

"فضلو یہ تمہارے سر کو کیا ہوا ہے؟" آخر میں نے چلا کے پوچھا۔

فضلو نے مسکرا کے کہا "شہر میں دلیپ کمار کا نائی آیا ہے"

یہ کہنے کے بعد فضلو نے بہت محبت سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا اور ماتھے پر

www.taemeernews.com

جھکی ہوئی لٹ کو ادر لٹکا لیا۔ اُس کے سر کے بال چھدرے چھدرے کٹے تھے۔ اور چھوٹے کر دیئے گئے تھے۔ صرف بائیں جانب بالوں کا ایک گچھا لانبا رہ گیا تھا جو باقی بالوں سے لانبا ہونے کی وجہ سے خود بخود ایک کٹی ہوئی بیل کی طرح ماتھے پر آ پڑا تھا۔ اور دُور سے دیکھتے ہوئے یُوں معلوم ہوتا تھا جیسے سرشیں سے ماتھے پر چپکا دیا گیا ہو۔ پیچھے سے سر کی ڈھلوان سے بال یُوں کاٹے گئے تھے، جیسے کسی پہاڑی ڈھلوان سے گھاس کاٹ لی گئی ہو۔ بہ حیثیت مجموعی فضلو کا سر دُور سے ایک مُنڈی ہُوئی بھیڑ کی طرح نظر آ رہا تھا۔

میں نے حیرت سے پُوچھا۔ "کون ہے وہ نائی ؟"

"اپنا شدّو"

"وہ گھیسو قصّاب کا لونڈا جو دو سال ہوئے گھر سے بھاگ گیا تھا ؟"

فضلو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں ہے اُس کی دوکان ؟"

فضلو بولا "تیلیوں کے بازار سے آگے چوک میں"

میں جلدی سے اپنی لانڈری سے باہر نکلا تو فضلو نے پُکار کے کہا "مگر جبن چاچا! بال بنوانے ہیں، تو ڈیڑھ روپیہ ساتھ لیتے جاؤ۔ وہ اِس سے کم میں بال نہیں کاٹے گا۔ دلیپ کمار کا نائی ہے"

"چُپ بے نامعقول!" میں نے چوک کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔ "اِس بھیڑ مُنڈائی کا میں ڈیڑھ روپیہ دُوں گا ؟"

www.taemeernews.com

لیکن شندو کی دوکان پر بہت بھیڑ تھی ۔ میں ذرا دیر میں پہنچا ۔ بال بنوانے والوں کا پہلے ہی سے ایک لمبا کیو لگ چکا تھا ۔ دوکان کے باہر جلی حروف میں بورڈ پر لکھا تھا ـــــــ

دلیپ کمار کا نائی

بمبئی ٹرینڈ

ماسٹر شندو حجّام

اور اس بورڈ کے نیچے ایک دوسرے بورڈ پر ریٹ لکھے تھے

دلیپ کمار ہیر کٹ	ڈیڑھ روپیہ
دلیپ کمار شیو	ایک روپیہ
دلیپ کمار شیمپو	دو روپیہ آٹھ آنے
دلیپ کمار مالش	پانچ روپے

(مالش کرانے والوں کے لئے ایک الگ کمرے کا انتظام ہے)

میں نے کیو کی طرف دیکھا، یہاں مجھے بہت سے جانے پہچانے چہرے نظر آئے ۔ اُن میں مجھے دھوڑی مل کا لڑکا بھسوڑی مل نظر آیا، جو میٹرک فیل تھا اور کسی سنیما کی کوئی فلم دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا ۔ اُن میں حکیم اُتم چند کا داماد سرداری لال جو شادی کے بعد حکیم صاحب کے گھر میں رہتا ہے، اور استاد دلاور خاں کا پٹھا بچہ پہلوان اور گنگو تیلی کا لڑکا سکھیا اور اپنے محلے کی امیر بیوہ خوجن کا اکلوتا صاحبزادہ گلّا بٹیر باز، اور دھیما پنواڑی، اور سندرا ٹھیلے والا جو سنیما کے اشتہار تقسیم کرتا ہے بھی نظر آئے، سبھی نے مجھے دیکھ کر نظریں پھیر لیں، میں ڈراتے ہوئے دوکان

www.taemeernews.com

کے اندر داخل ہو گیا۔ مجھے اِس کنجوس سے کیا واسطہ، یہ سب لونڈے میرے ہاتھ کے کھلائے ہوئے ہیں۔

دوکان کے اندر جا کے میں نے سامنے کی دیوار پر دلیپ کمار کا ایک بڑا سا فوٹو دیکھا، جس کے ایک کونے پر لکھا تھا۔ "اپنے پیارے دوست شدّو حجام کے لئے، بڑے خلوص کے ساتھ ــــــ بقلم خود دلیپ کمار" دائیں طرف نظر گھمائی تو ایک تصویر نظر آئی۔ اس میں دلیپ کمار سر جھکائے شدّو حجام سے بال کٹوا رہا تھا۔ بائیں طرف نگاہ دوڑائی تو ایک اور تصویر لگی ہوئی نظر آئی جس میں شدّو حجام دلیپ کمار کے سر پر پالش کر رہا تھا۔

شدّو نے مجھے آتے ہی پہچان لیا، وہ میرے گھٹنوں کو چھو کر بولا۔ "چاچا جمن مجھے پہچانتے ہو؟"

شدّو کو کون نہیں پہچانے گا۔ محلّے کا سب سے شریر لونڈا۔ دُبلا پتلا کالا، چیچک رُو۔ ایک آنکھ سے کانا، مگر زبان جیسے لال مرچ، جیسے کترنی، جیسے گالیوں کا فوّارہ، بار بار پٹنے پر بھی شرارت سے باز نہ آئے۔ ایک روز سویرے فضلو کو پھسلا کر اس سے شیخ غلام رسول بارسٹر کے لڑکے کا ہنٹنگ کوٹ جو میری لانڈری میں ڈرائی کلین ہونے کو آیا تھا۔ ایک روز کے لئے مانگ کر پہننے کے لئے لے گیا تھا۔ بس اُسی دن سے غائب تھا۔ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ آس پاس کے قصبوں میں بہت ڈھنڈوایا کہیں پتہ نہ چلا۔ ناچار کوٹ کی قیمت مجھے ادا کرنی پڑی۔ میں شدّو کو بھول سکتا تھا۔ میں نے زور سے ایک دھپ اُس کی پیٹھ پر جمائی۔ شدّو کے ہاتھ سے قینچی گر کر زمین پر جا پڑی۔ شدّو کچھ ہنس کر کچھ روانکھا سا ہو کر میری طرف

www.taemeernews.com

دیکھنے لگا۔

مَیں نے غصّے سے کہا۔ "میری طرف کیا دیکھتے ہو۔ کدھر ہے وہ کوٹ ؟"

شدّو کو یکایک یاد آیا ہنستے ہنستے بولا۔ "واہ چاچا۔ تم بھی دو سال کے بعد اُس ذلیل کوٹ کا ذکر کرتے ہو۔ ارے چاچا، جتنے کوٹ کہو اُس بارسٹر کے لونڈے کو بنوادوں۔ کیا سمجھتے ہو۔ دلیپ کمار کا نائی ہوں، دلیپ کمار کا !"

"تو تم بمبئی گئے تھے۔" میں ایک کرسی پر بیٹھ کر بولا۔

"اور کہاں گیا تھا، ہاف ہنٹنگ کوٹ پہن کر۔"

"مگر وہ کوٹ کہاں ہے ؟"

"دلیپ کمار کے پاس ہے۔"

"دلیپ کمار کے پاس ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" شدّو بولا۔ "مَیں نے اُس کوٹ کے کالر ذرا کاٹ کے چھوٹے کر لئے تھے۔ دلیپ کمار کو میرا اسٹائل بہت پسند آیا۔ جب سے اُس نے مجھ سے وہ کوٹ مانگ لیا۔ جب سے وہی کوٹ پہنے پہنے پھرتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کالروں والا اُف کوٹ۔ جو کبھی بارسٹر صاحب کے لونڈے کا تھا۔ وہ تو کہو اُس کوٹ کی قسمت اچھی تھی کہاں سے کہاں پہنچ گیا، فلم "شکست" میں تم نے اُس کوٹ کو دیکھا تھا ؟"

"تمہاری دلیپ کمار کی واقفیت کیسے ہوئی ؟" میں نے پوچھا۔

شدّو نے میرے سر پر قینچی چلاتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہ پوچھو، چاچا۔ دلیپ کمار سے ملنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ مختصر یہ کہ ایک روز میں بمبئی کے ریس کورس میں اپنے جاکی ہر بھگوان سے ملنے جا رہا تھا، کہ شاید کوئی قسمت کا ٹپ مِل

www.taemeernews.com

جائے تو بیڑا پار ہو جائے کہ مجھے اتنے میں خیال آیا کہ میرے سر کے بال بہت لانبے ہو رہے ہیں، یہ خیال آتے ہی میں سامنے کے ایک شیونگ سیلون میں گھس گیا۔ اُدھر جاتے ہی جو کرسی خالی تھی اور جس پر ایک آدمی بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ میں جلدی سے پہنچ کر وہاں بیٹھ گیا۔ حجام نے میری طرف ذرا تیکھی نظروں سے دیکھا۔ مگر اپن تو تم جانتے ہی ہو، شروع سے ڈھیٹ رہے ہیں، تمہارے چیلے ہیں اس معاملے میں اُستاد جا کے نکٹے دیوتا تا کے اوت پُجاری، سو ہم کرسی پر ڈٹ گئے اور حجام نے جیسے تیسے کر کے میرے بال کاٹنے شروع کر دیئے کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ میرے دماغ میں ایک عجیب خیال آیا۔ میں نے سوچا آج میں ایسے بال کٹواؤں کہ ریس کورس میں آنے والی فلم کی ساری ہیروئنیں میری طرف دیکھنے لگ جائیں وہ نرگس، مدھو بالا، ثریا، نلنی جیونت، آشا رائے اور چیتو ہر کسے کہ سب میری طرف دیکھنے لگ جائیں تو تو مزہ ہے نہیں تو زندگی بے کار ہے۔

یہ خیال آتے ہی میں نے بڑی اُلجھن سے حجام سے کہا "پہلے آگے سے بال چھدرے کرو۔ تالو سے لے کر ماتھے تک۔"

"مگر ؟"

"اگر مگر کی کوئی ضرورت نہیں جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرو۔"

حجام نے ویسا ہی کیا۔ جب وہ ماتھے کے قریب پہنچا تو میں نے پھر اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور اس سے کہا "یہ سامنے کے بال دائیں طرف سے چھوٹے مگر بائیں طرف سے لانبے رہنے دو۔"

"مگر"

www.taemeernews.com

" پھر وہی اگر مگر، جیسا میں کہوں کرتے جاؤ۔"

حجامت کے بعد جب میں نے اپنی صورت آئینے میں دیکھی تو اپنی جدت پر خود حیران ہو گیا۔ میں ابھی سوچ رہا تھا کہ یہ سٹائل ریس کورس کے لئے ٹھیک رہے گا، کہ کسی پاگل خانے کے لئے! اتنے میں کسی نے مجھے پیچھے سے آ کے گلے سے لگا لیا اور کہنے لگا۔

" واہ واہ، کیا طرزِ حجامت ایجاد کی ہے۔ سر کو پیچھے سے دیکھو تو گھسا ہوا برش نظر آتا ہے۔ تالو کے اوپر سے دیکھو تو کدو کی بیل کا نظر آتا ہے۔ سامنے سے دیکھو تو عشقِ پیچاں کی زلفِ پریشاں نظر آتا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔" میں نے گھوم کر دیکھا۔

میرے سامنے دلیپ کمار کھڑا تھا۔

میں حیرت سے وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

دلیپ کمار نے بہت نرمی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اور کچھ کہا جسے میں سن نہ سکا۔

" کیا فرمایا آپ نے؟" میں نے بہت لجاجت سے پوچھا۔

اس پر دلیپ کمار نے جیب سے ایک مائیکرو فون نکال کے کچھ کہا، اب کے میں نے سن لیا۔ دلیپ کمار کہہ رہا تھا ——————

" بھائی جان، اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو آپ کا ہیر اسٹائل میں اپنا لوں؟"

" شوق سے۔" میں نے قصائیوں کی طرح اس کے ہاتھ کو زور سے دباتے ہوئے کہا۔

www.taemeernews.com

"دراصل میں اپنی زندگی سے بیزار آچکا ہوں" دلیپ کمار اپنے جیبی مائیکرو فون سے کہہ رہا تھا۔ "میں شہرت سے، دولت سے، عورت سے پریشان ہو چکا ہوں میں اپنی زندگی کے لئے کچھ نئی چیز چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "میرا ہیر اسٹائل حاضر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" دلیپ کمار نے حجام کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آج سے لوگ میرے ایکٹنگ کو بھول جائیں گے اور میرے ہیر اسٹائل کو یاد رکھیں گے۔"

جب دلیپ کمار بال کٹوا چکا تو میری طرف مڑ کے پوچھنے لگا۔

"کیا میں اپنے محسن کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"

میں سن نہ سکا۔

دلیپ کمار نے پھر اپنی جیب سے مائیکرو فون نکالا۔

میں نے کہا۔ "خاکسار کو شدو کہتے ہیں۔"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"سڑکیں ناپتا ہوں۔ اگر آپ آج نہ مل جاتے تو سمندر کی گہرائی ناپنے کا ارادہ کر رہا تھا۔"

"اچھا!" دلیپ کا سر مائیکرو فون پر جھک گیا۔ اس کی آنکھیں خوابیدہ ہو گئیں۔ اس کی نسیں ماتھے پر ابھر آئیں۔ ایک مدھم محزون تبسم اس کے لبوں پر نمودار ہوا۔ اور اس نے آہستہ سے رک رک کر کہا۔۔۔ "شدو! آج سے تم میرے بھائی، میرے بھائی ہو!"

اس کے بعد وہ سر جھکائے، آنکھوں میں آنسو چھپائے شیونگ سیلون سے

www.taemeernews.com

باہر نکل گیا۔

اس کے دوسرے دن صبح سویرے میں ایک جھولے میں حجامت کا سامان لئے اُس کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت حیرت زدہ ہُوا۔ بولا "یہ تم اس جھولے میں کیا لائے ہو؟"

"حجامت کا سامان!"

"کیوں؟"

"کل کی بات بھول گئے۔ اُس شیونگ سیلون میں جب ملے تھے۔ تم ہی نے تو کہا تھا شدو، آج سے تم میرے نائی ہو۔"

"مگر میں نے تو کہا تھا۔ آج سے تم میرے بھائی ہو۔" دلیپ کمار نے احتجاج کرتے ہُوئے کہا۔

"افوہ یہ کیسی غلطی ہُوئی میں نے سمجھا تم کہہ رہے ہو آج سے تم میرے نائی ہو۔ اس پر تو میں یہ حجامت کا سارا سامان خرید لایا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں آج سے تمہارا نائی نہیں بھائی ہوں تو میں اپنا بستر بھی اُٹھا کے یہیں لے آتا، مگر اب ——— اب کیا ہوگا؟"

"اب کیا ہوگا؟" دلیپ کمار نے سر جھکاتے ہُوئے کہا۔ "اب کرو میری حجامت!"

شدو کی داستان بہت دلچسپ تھی لیکن سب سے دلچسپ بات یہ ہُوئی کہ جب میں اُس کی کرسی سے اُٹھا تو اپنے آپ کو بالکل پہچان نہ سکا۔ میں نے

www.taemeernews.com

چیلا کے شدو سے کہا۔ "ابے او شدو! سُوَر کے بچّے! یہ تُو نے کیا کر دیا؟"

شدو نے بانہیں پھیلا کر سر جھکا کر کورنش بجا لاتے ہوئے کہا۔ "اُستاد یہی تو وہ مشہور و معروف ہیر اسٹائل ہے، جس کے بل بوتے پر میں دن میں ڈیڑھ سو روپے کماتا ہوں۔"

شدو کی دوکان بہت چل نکلی لیکن شہر کے بہت سے حجام بے کار ہو گئے، کچھ حجاموں نے تو شہر چھوڑ دیا۔ دو ایک سبزی ترکاری بیچنے لگے، دو ایک غم کے مارے پاگل ہو گئے اور ایک نے اپنے گلے پر اُسترا پھیر کر خودکشی کر لی لیکن ان باتوں کا شدو پر یا شہر کے نوجوانوں پر کیا اثر ہوتا۔ وہ تو سب دلیپ ہیر اسٹائل کے گرویدہ تھے اور شدو سے دلیپ کمار کی باتیں سُننے کے لئے اُس کی دوکان میں جایا کرتے۔ جب بھی میں وہاں گیا، میں نے اُس کے شیونگ سیلون کو بھرا پایا۔

ماتا دین حلوائی کا لونڈا پوچھ رہا تھا۔ "یار شدو، یہ دلیپ کمار سر میں کونسا تیل لگاتا ہے؟"

"دھانسو تیل!"

"یہ کون سا تیل ہوتا ہے؟"

شدو نے ایک بند الماری کا تالا کھولا، اور اس میں سے ایک شیشی بہت احتیاط سے نکالی۔ اور ماتا دین حلوائی کے لونڈے کے ہاتھ میں دے کر کہنے لگا "یہ دھانسو تیل ہے۔ اس کا نسخہ میرے اور دلیپ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔"

"اس میں کیا خاص بات ہے؟" جگّے پنساری نے جو گنجا تھا، شدو سے

www.taemeernews.com

پوچھا۔

شدو نے اُس کے گنجے سر کی طرف دیکھ کے کہا: "اس کے استعمال سے بال ساری عُمر کالے اور چمکیلے رہتے ہیں اور جس کے سر پہ بال نہ ہوں اُس کے سر پہ بال اُگ آتے ہیں۔"

"سچ کہتے ہو؟"

"تو کیا جھُوٹ کہتا ہوں۔ استعمال کرکے دیکھ لو۔ ارے ایک دن میں نے غلطی سے یہ تیل اپنی ہتھیلیوں پہ لگا لیا تھا، رات ہی رات میں میری ہتھیلیوں پر اتنے بال اُگ آنے کہ برش معلوم ہونے لگیں۔ بڑی مُشکل سے بال صفا پوڈر سے اپنی ہتھیلیوں کو صاف کیا۔"

"تو اب اپنے سر میں تیل کیسے لگاتے ہو؟"

"اب تو دستانے پہن کر تیل لگاتا ہوں۔ لے جاؤ یہ شیشی دھانسو تیل بمبئی میں تو پندرہ روپے سے کم نہیں بکتا، تم سے دس روپے لے لُوں گا۔"

امیر حلوائی کا بیٹا ایک امیر حلوائی کا بیٹا تھا وہ دس روپے دے سکتا تھا مگر رحمٰن کو دھانسو تیل سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ وہ تو کچھ اور ہی دریافت کرنا چاہتا تھا۔ آخر اُس سے رہا نہ گیا۔

"یار! یہ دلیپ کمار شادی کیوں نہیں کرتا؟"

شدو نے کہا: "ارے یہ تو بہت ہی دل چسپ قصہ ہے۔ ایک دن میں اور دلیپ کمار جوہو پر ٹہل رہے تھے کہ میں نے یہی سوال دلیپ کمار سے کیا، دلیپ کمار تم جانتے ہو، ہندوستان کا سب سے مشہور سب سے بڑا ہیرو ہے مزاروں

www.taemeernews.com

خوبصورت لڑکیاں اُس پر مرتی ہیں، اُس پر جان چھڑکتی ہیں جیسے ہم مچھروں پر ڈی ڈی ٹی چھڑکتے ہیں ویسے وہ اس پر اپنی جان چھڑکنے کو ہر وقت تیار رہتی ہیں لیکن دلیپ کمار ہے کہ شادی ہی نہیں کرتا، کیوں ؟ - آخر اُس دن مَیں نے ہمت کر کے دلیپ کمار سے یہ سوال پوچھ ہی لیا ؛؛

دلیپ کمار نے اپنے بالوں کی زُلف کو ہلکا سا جھٹکا دیا، پھر وہ آہستہ سے مُسکرایا۔ پھر اُس نے جُھک کر ساحل کی ریت کو اپنی ہتھیلی پر اُٹھایا - اور اسے اپنے مُنہ میں ڈال لیا۔ اور آہستہ آہستہ ریت کے ذرّوں کو چباتے ہوئے بہت فکرمندانہ انداز میں بولا۔ " شندو بھیّا بات دراصل یہ ہے کہ .....

کہ ..... میں ایک بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہُوں "

" بیوہ سے شادی تو کارِ ثواب ہے "

" ہے تو سہی " دلیپ کمار بہت متفکر لہجے میں بولا " مگر مُصیبت یہ ہے کہ ہماری فلم انڈسٹری میں کوئی ہیروئن بیوہ نہیں ہے "

" ہے تو نہیں مگر ہو سکتی ہے۔ اگر تم چاہو تو "

" اُف میرا سر گھوم رہا ہے " دلیپ کمار بولا۔ " میرے سر پر مالش کرو "

شندو بولا۔ " مترجی ، یہ جواب سُننے کے بعد میرا جی بھی مالش کرنے لگا اور دلیپ کمار کے سر کی مالش کرتے کرتے یہ سوچنے لگا کہ دلیپ کمار کے لئے کون سی بیوہ موزوں رہے گی۔ اور سچ پوچھو تو اپنے وطن میں واپس آنے کا میرا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ مَیں اپنے پیارے دوست دلیپ کمار کے لئے ایک موزوں بیوہ تلاش کروں "

www.taemeernews.com

اُڑتے اُڑتے یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی کہ دلیپ کمار کو ایک بیوہ کی تلاش ہے۔ یہ خبر سُنتے ہی بہت سے گھروں میں جہاں پہلے شدّو کا سایہ تک نہ جا سکتا تھا وہاں شدّو کو بڑے تزک و احتشام سے دعوتوں پر بُلایا جانے لگا ہوتے ہوتے ایک دن ہمارے محلے کی امیر خوجن نے جو دس سال سے بیوہ تھی اور جس کا بیٹا گلّا شہر کا مشہور بٹیر باز تھا، شدّو کو اپنے پاس بُلایا اور اُس سے پُوچھا

"سُنا ہے تمہارا دلیپ کمار ایک بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

"ہاں"

امیر خوجن یہ جواب سُن کر دیر تک چُپ رہی۔ آخر بولی "دلیپ کمار کے پاس کتنا روپیہ ہوگا؟"

شدّو ہنس کر بولا "دلیپ کمار کی دولت کا کیا پوچھتے ہو۔ ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ کا کنٹریکٹ لئے پروڈیوسر اس کے آگے پیچھے گھومتے ہیں۔ دولت تو اُس کے ہاتھوں کا میل ہے۔ چاہے تو کُل بمبئی کو خرید لے"

خوجن سوچ سوچ کے بولی "میرے پاس بھی اسّی ہزار روپیہ ہے۔ تمہارا دلیپ کمار کیا مجھ سے شادی کرے گا؟"

شدّو نے بہت اطمینان سے کہا "وہ تو جس سے میں کہوں گا اُس سے شادی کرے گا"

خوجن نے اپنا بٹوہ کھولا۔

دس دن ہوئے شدّو تیلی محلّے سے ایک سولہ برس کی نوجوان بیوہ کو لے کر

www.taemeernews.com

فرار ہوگیا۔ شہر کے عزت داروں نے پولیس سے بہتیرا کہا کہ وہ بمبئی جا کے دلیپ کمار کے
مکان کی تلاشی لے لیکن پولیس والے شاید دلیپ کمار سے ڈرتے تھے وہ نہ بمبئی گئے نہ
انہوں نے وہاں کی پولیس کو کوئی وارنٹ شدّو یا دلیپ کمار کے خلاف بھیجا۔ وہ لوگ
ہمارے شہر کے آس پاس کے قصبوں ہی میں شدّو کو ڈھونڈتے رہے۔ اور آخر اُسے شہر
سے تیس میل دُور دھولریاں گاؤں کے ایک چھپر میں ڈھونڈ نکالا۔ شدّو تاڑی پی کر
بے سُدھ پڑا تھا اور وہ لڑکی ایک کونے میں بیٹھی رو رہی تھی۔

گرفتاری کے بعد عدالت میں جرح کے دوران میں پتہ چلا کہ شدّو میاں اپنی
زندگی میں نہ کبھی بمبئی گئے تھے نہ کبھی دلیپ کمار کا منہ دیکھا تھا۔ لڑکی کو فرار کرنے
میں انہوں نے یہ جھانسہ دے کے اغوا کر لیا تھا کہ وہ اسے بمبئی لے جائیں گے۔ اور
دلیپ کمار سے اُس کی شادی کروا دیں گے، لیکن وہ کیا کرتے۔ اِس کے بغیر لڑکی کبھی
ان کے قابو میں نہیں آسکتی تھی۔

شدّو کو جیل ہو گئی۔

جیل میں میں اُس سے ملنے کے لئے گیا تھا۔ شدّو سے ملاقات بھی ہو گئی تھی واپس
آتے وقت شدّو نے مجھے بتایا کہ جیل سے چھوٹنے کے بعد وہ دلیپ کمار کا نائی نہیں
رہے گا، بلکہ راج کپور کا درزی بن جائے گا۔

"درزی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "مگر کیا تم نے کبھی سلائی سیکھی ہے؟"

"اُستاد تم بھی نرے بدھو ہو۔" شدّو ہنس کر بولا۔ "اِس میں سیکھنے کی کیا ضرورت
ہے، یہ تو جوہر خداداد ہے!"

☆

www.taemeernews.com

مکڑی

بشّو بابو شکل وصورت سے بنگالی معلوم ہوتے تھے لیکن تھے سرحد کے رہنے والے اصلی نام تھا گلزاری لال لیکن یہاں بشو ناتھ بسواس کہلاتے تھے۔ کلکتے میں کئی برس رہ چکے تھے اِس لئے بنگلہ زبان بھی جانتے تھے اور اِس روانی سے بولتے تھے کہ اکثر بنگالیوں کو وہ اپنے سے زیادہ بنگالی معلوم ہوتے۔ کلکتے میں تو یہ بات شُبہے کی نظر دں سے دیکھی جاتی لیکن یہاں دہلی میں اُن کا معاملہ بہت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ جب میں نے بشّو بابو سے پُوچھا کہ اُنہوں نے ایسا کیوں کیا کہ سرحد کی قومیت چھوڑ کے بنگالی قومیت اختیار کی؟ تو بولے

"بھائی یہ بزنس ہے۔ سرحد کے لوگ تُم جانتے ہو، بات کے پکّے طبیعت کے سیدھے اور مزاج کے اکھڑ سمجھے جاتے ہیں۔ اور تم جانتے ہو ماڈرن بزنس میں یہ

www.taemeernews.com

باتیں نہیں چلتیں۔ لوگوں کو اپنے متعلق اِس قسم کی رائے قائم کرنے کا موقع دینا بہت غلط ہوتا ہے۔ لو سگریٹ پیو بابا"

بشّو بابو نے تھری کاسل کے سگریٹوں کا ڈبّہ میری طرف سرکا دیا۔

"بشّو بابو! آپ تو جانتے ہیں میں نے چھ مہینے سے سگریٹ چھوڑ رکھے ہیں"۔ میں نے ڈبّہ واپس سرکاتے ہوئے کہا۔

"کمال کر دیا آپ نے" لالہ جگن ناتھ وہسکی کا گلاس آدھا کرتے ہوئے بولے "سگریٹ آپ نے یکایک کیسے چھوڑ دی؟"

"بس اِک دم چھوڑ دی"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں نے بھی ایک دفعہ سگریٹ چھوڑ دی تھی ایک دم!"

"لیکن اب تو آپ پی رہے ہیں" لالہ جگن ناتھ نے بہت حیرت سے بشّو بابو کی طرف دیکھ کے کہا۔

لالہ جگن ناتھ ایک ناکام وکیل تھے۔ بشّو بابو ایک کامیاب بزنس مین تھے۔ لیکن پھر بھی دونوں میں گہری دوستی تھی۔ کیونکہ لالہ جگن ناتھ کو ایک ایسا دوست چاہیئے تھا جو وقت بے وقت اُنہیں قرض دے سکے۔ اور بشّو بابو کو ایک ایسا پڑھا لکھا دوست درکار تھا جو فرصت کے اوقات میں اُن کی مصاحبی کر سکے۔ لالہ جگن ناتھ کے پاس فرصت بہت تھی۔ بشّو بابو کے پاس روپیہ بہت تھا اِس لئے دونوں کی دوستی مستحکم بنیادوں پر کھڑی معلوم ہوتی تھی۔ لالہ جگن ناتھ جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے بشّو بابو کی طرف اِس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کسی بچاؤ

www.taemeernews.com

برس کے کالے، موٹے، بدصورت آدمی کی طرف نہ دیکھ رہے ہوں۔ بلکہ ایلورا کے اندر دیوتاؤں کے موزوں اور متناسب مجسّمے کی طرف نگاہ دوڑا رہے ہوں۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ لالہ جگن ناتھ بالکل احمق تھے۔ بلکہ اس لئے کہ وہسکی بہت عمدہ تھی۔ تلی ہوئی مچھلی بہت نفیس تھی۔ اور گاہے گاہے بیس پچیس روپے کے نوٹ بہت پیارے معلوم ہوتے تھے۔ غالباً وہ اپنے دل میں اپنے اور بشّو بابو کے تعلّقات کا الجبری فارمولائوں بناتے ہوں گے ——

"وہسکی + تلی ہوئی مچھلی + پندرہ روپے = (مساوی ہے) بشّو بابو کی بکواس۔"

لالہ جگن ناتھ نے جب آنکھیں پھاڑ کر اپنی گول گول پتلیاں حیرت سے گھماتے ہوئے پھر پوچھا ——

"سچ مچ بشّو بابو تم نے سگریٹ ایک دم کیسے چھوڑ دی؟ مجھ سے تو چھوٹتی نہیں۔ سالی ایسی منہ کو لگی ہوئی ہے۔ دن میں پچاس ساٹھ سگریٹ پی جاتا ہوں۔"

"یہ سگریٹ مذکر ہے یا مؤنث؟" میں نے پوچھا۔

"مرد پیئے تو مذکر ہے، عورت پیئے تو مؤنث ہے!" بشّو بابو مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہاہاہا ——" لالہ جگن ناتھ نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔ لالہ جگن ناتھ کو اس قسم کی صحبتوں میں مناسب موقعوں پر کئی بار زور کا قہقہہ لگانا پڑتا تھا۔ اس لئے اب انہیں زور کا قہقہہ لگانے کے لئے کسی خاص کاوش کی ضرورت نہیں تھی۔ جس آسانی سے وہ اپنی جیب سے رومال نکال لیتے تھے، اسی آسانی سے وہ اپنے حلق سے قہقہہ نکال سکتے تھے۔

www.taemeernews.com

بشّو بابو نے ایک گھونٹ پی کر بڑے مزے میں کہا۔ "یہ سگریٹوں کے چھوٹنے اور پھر شروع کرنے کی بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ کمرہ یکایک ہم سب کے لئے ذرا سمٹ سا گیا۔ ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ دیوار پر لگی ہوئی جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی، سبھاش چندر بوس، دیو ہنومان اور لکشمی دیوی کی تصویریں دیوار سے ذرا باہر نکل کے جیسے ہمہ تن گوش ہوتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ دیواروں سے لگی ہوئی مختلف سگریٹوں سے بھری ہوئی الماریاں، کیونکہ بشّو بابو نے سگریٹوں کی ایجنسی لے رکھی تھی اور بنارسی ساڑیوں اور سکارفوں کے نمونے جنہیں وہ ہندوستان سے امریکہ بھیجتے تھے۔ ذرا اپنی جگہ سے آگے جھک کر اس کہانی کو سننے کے لئے بیتاب نظر آنے لگے۔ یا ممکن ہے یہ سب کچھ نہ ہوا ہو محض وہسکی کا اثر ہو۔ بہر حال بشّو بابو نے ایک گھونٹ اور پیا اور پھر باہر کے دروازے کی طرف دیکھا جس پر لوہے کی ایک باریک جالی منڈھی ہوئی تھی۔ اس طرح کہ کمرے کے اندر کے لوگ باہر گلی کا نظارہ کر سکتے تھے لیکن باہر گلی کے لوگ کمرے کے اندر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ بشّو بابو لوہے کی جالی نہیں، اپنی فراست کی جالی کی طرف دیکھ کر پھر مسکرائے۔ ان کا خیال تھا کہ آج میں ان سے کہانی بیان کرنے کے لئے کہوں گا لیکن میں نے بھی قسم کھائی تھی کہ آج کچھ نہیں کہوں گا۔ ناچار لالہ جگن ناتھ کو کہنا پڑا، اور کہتے کہتے اس کی رال ٹپک پڑی۔ جیسے وہ اپنے سامنے کسی کہانی کو نہیں بھنے ہوئے مرغ کی پلیٹ کو آتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔ کاش میں بھی ایسی ہی مصنوعی رال ٹپکا سکتا۔ تو مجھے بھی دوسرے تیسرے دن بشّو بابو سے پندرہ بیس روپے مل جایا کرتے۔

www.taemeernews.com

بشو بابو نے کہا ـــــــ

" جگن ناتھ دہ ذرا اپنے اُدھر کی کھڑکی بند کر دینا۔ ہوا آرہی ہے۔ یہ سردی کا فراٹا تو مجھ بڈھے کو مار ڈالے گا۔"

جگن ناتھ کھڑکی بند کرنے کے لئے اُٹھا تو بشو بابو نے داستان شروع کر دی ـــــــ

" میں اُن دنوں کلکتے میں چاولوں کا بیوپار کرتا تھا۔ برما سے چاول منگاتا تھا۔ کلکتے میں بیچتا تھا۔ اُن دنوں بنگال میں قحط بھی تھا۔ اِس لئے میرا کام بہت اچھا چل رہا تھا۔ چاول کے بھاؤ ہر دن بڑھ جاتے تھے۔ اور بھاؤ بڑھنے کے ساتھ ساتھ میرا بینک بیلنس بھی بڑھ جاتا تھا۔ اُن دنوں میں نے وہسکی اور سگریٹ کی عادتیں بہت بڑھالی تھیں۔ کیونکہ باہر گلیوں میں مجھ سے لوگوں کو بھوک سے مرتا نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ناچار وہسکی پینی پڑتی تھی۔ اور سگریٹ تو ایک کے بعد دوسرا اس طرح پیتا تھا کہ ایک ختم کیا تو اُس سے دوسرا سلگا لیا۔ پھر اُسے پھینکا۔ اُن دنوں کلکتے میں اناج بہت مہنگا اور عورتیں بہت سستی تھیں۔ اِس کی بھی مجھے بہت کوفت ہوتی تھی۔ کیونکہ میں عورت کی بڑی عزت کرتا ہوں میں نے شادی نہیں کی لیکن پھر بھی عورت کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اِس لئے مجھے یہ دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی کہ وہی عورت جو پہلے پچاس روپے میں ملتی تھی جب چاول کا بھاؤ تیس سے ساٹھ روپے ہوا تو عورت کی قیمت بیس روپے ہو گئی۔ بس اسی کوفت کی وجہ سے میرا وہسکی اور سگریٹ کا خرچ بہت بڑھ گیا تھا۔ قحط بنگال کے دنوں میں جہاں لوگوں نے بہت سے نیک ارادے کئے، نیک کام کئے۔

www.taemeernews.com

نیک وعدے کئے۔ میں نے بھی ایک نیکی کا کام کیا۔ میں نے اُس رات کو، جس رات کو یعنی سال ختم ہو رہا تھا۔ اور نیا سال شروع ہو رہا تھا۔ اُس روز میں نے اپنے کلکتے کی فلیٹ کی کھڑکی سے سگریٹ کی ایک ایک ڈبی کو چُوما اور اُسے باہر پھینک دیا۔ اُس کے بعد میں اپنی دوست نرملا زمیندار کی طرف مُڑا، اُسے چُوما، اور ــــــ"

"اور پھر اُسے بھی کھڑکی سے باہر پھینک دیا؟" میں نے پُوچھا۔

"نہیں" بشّو بابُو ذرا اُداس ہو کر بولے "وہ تو دروازے ہی سے باہر گئی تھی کیونکہ کھڑکی بہت اُونچی تھی۔"

"ہا ہا ہا ــــــ" لالہ جگن ناتھ نے دُوسرا زوردار قہقہہ لگایا۔ اور دل میں سوچا اب تک دو قہقہے لگا چکا ہوں۔ دس دس روپے تو کھرے ہو گئے۔ دو تین قہقہے ایسے اور ہو جائیں تو کل تیس روپے بشّو بابو سے مانگ لُوں گا۔

"تو صاحب!" بشّو بابو جگن ناتھ کے زوردار قہقہے پر مسکرائے بغیر آگے بڑھے "اُس کے بعد پانچ سال تک میں نے سگریٹ نہیں پیے۔"

"کمال ہے۔"

جگن ناتھ کی آنکھیں کھلیں، پھٹیں، گول گول پتلیاں گھومیں۔ حیرت و استعجاب کے آثار چہرے پر نمودار ہوئے۔

'کمال ہے' میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ آدمی ایک ناکام وکیل ہے لیکن ایک کامیاب ایکٹر ہے۔ کیا مجال ہے جو اظہارِ تاثر میں سرِ مو فرق ہو۔ وہی حیران حیران پتلیاں، وہی پھیلے پھیلے اُٹھے ہوئے ابرو۔ وہی ساڑھے تین انچ کی مُسکراہٹ کیا مجال

www.taemeernews.com

جو ایک ملی میٹر کا بھی فرق ہو۔

"کمال ہے پانچ سال تک آپ نے سگریٹ نہیں پیئے۔" جگن ناتھ نے حیرت سے دہرایا۔ "لیکن پھر آپ نے کب شروع کئے؟"

"اس کی بھی ایک کہانی ہے۔" بشو بابو میری طرف دیکھ کر بولے۔

دیواریں اور قریب آگئیں۔ تصویریں اور جھک گئیں۔ پردوں کے پیچھے سے کوئی دھیمی دھیمی سانس لے کر اشتیاق سے سننے لگا۔ لیکن وہاں اور کون تھا؟ ہم تین ہی تو تھے۔ میں، بشو بابو اور لالہ جگن ناتھ۔ پھر بھی یہ کون تھا جو یوں سرگوشی میں، کانوں میں کچھ ہوا کی سائیں سائیں کی طرح کہہ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی نہ ہو، ہو سکتا ہو۔ بشو بابو صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے بولے ——— "یہ بھی کلکتے کی بات ہے پانچ سال بعد پھر وہی خوبصورت رات آئی۔ نئے سال کی پہلی رات جب ایک سال جاتا ہے۔ دوسرا سال آتا ہے۔ وہ خوبصورت حسین بارہ بجے کی تاریکی کا لمحہ جب ہال میں بتیاں گل ہو جاتی ہیں۔ اور تمہارے دل کی دھڑکنیں تمہارے ہم رقص کے دل کی دھڑکنوں سے ہمکنار ہونے لگتی ہیں۔ چاروں طرف کاغذ کے پھول برساتے ہیں۔ اور ہوا میں غبارے پھٹتے ہیں اور نیا سال مبارک ہو۔ نئے سال کی مسرتیں، نئے سال کی مسکراہٹیں مبارک ہوں! کی آوازیں کانوں میں سنائی دیتی ہیں۔ یہ اسی رات کا ذکر ہے۔ میں ہال میں بالکل اکیلا اپنی میز پر بیٹھا پی رہا تھا۔"

"اکیلے کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"میری پارٹنر مجھے "مائی ڈارلنگ گنجا" کہہ کر لوگوں سے ملاتی تھی اور ہنستی تھی۔ اور تم نہیں جانتے امجد بھائی کہ میں کتنا حساس ہوں۔ جتنا میں گنجا ہوں اتنا

www.taemeernews.com

ہی حساس ہوں۔ مہر وہ بال جو میرے سر سے غائب ہوا ہے، میرے دل میں
ایک کانٹا بن کر چُبھ گیا ہے۔ تم مجھے موٹا کہہ سکتے ہو۔ بدصورت کہہ سکتے ہو مگر
گنجا نہیں کہہ سکتے۔ لیکن میری پارٹنر نے اُس وقت یہی کہا۔ اور بار بار کہا۔ یہاں
تک کہ مجھے اُسے چانٹا مار کر اپنی میز سے اُٹھا دینا پڑا۔ بس اِس لئے میں اکیلا تھا۔
اور وہسکی پی رہا تھا۔ پُرانا سال ختم ہوا۔ نیا سال شروع ہوا۔ لوگوں نے شور مچایا۔
بغلگیر ہوئے۔ ناچے لیکن میں چُپ چاپ بڑے مزے میں اپنی وہسکی پیتا رہا۔
یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے پرلے ٹیبل پر ایک نازک اندام اینگلو انڈین لڑکی
اپنے پارٹنر کے ساتھ بیٹھی ہے۔ اور مسکرا رہی ہے۔ میری طرف دیکھ کر نہیں، اپنے
پارٹنر کی طرف دیکھ کر۔ اُس کا پارٹنر بھی بے حد خوبصورت تھا۔ خوبصورت کا مطلب
نہیں ہے کہ وہ گورا تھا۔ نہیں وہ تھا تو سانولا لیکن بہت وجیہہ تھا۔ لڑکی کا رنگ
بھی بہت صاف نہیں تھا لیکن نقش بہت تیکھے تھے۔ ایسی ناک سکوڑ وہ ذرا مسکراتی
تھی کہ میرے دل میں بجلی کی رَو چھوٹ جاتی تھی۔ دونوں اتنے حسین اور پیارے
معلوم ہو رہے تھے کہ مجھے اُس بڈھے گنجے، بدصورت آدمی پر بہت رحم آیا جس
کا نام بِشو ناتھ بسواس ہے۔ مجھے اُس کی پارٹنر پر بھی بہت رحم آیا جو چند روپوں
کے لئے اُس کی گنجی چندیا سہلانے آگئی تھی لیکن جس کی جوانی اور خوبصورتی نے
پھر بھی مجھ سے بغاوت کر دی تھی۔ میں اُن کی طرف بہت غور سے اور بہت پیار
سے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں لڑکی نے اولڈ بلیک کا ایک سگریٹ سلگایا اور اُسے
اپنے پارٹنر کو پیش کیا۔ اور پھر اُس کے پارٹنر نے مسکرا کے وہ سگریٹ اُس کے ہاتھ
سے لے لیا۔ اور کش لے کر پہلے کش کا دھواں لڑکی کے چہرے پر لطیف انداز سے

www.taemeernews.com

بکھیر دیا۔ پھر اس نے سگریٹ لڑکی کو پیش کیا۔ اب لڑکی نے ہولے سے اسے
پیا اور اسکا دھواں اپنے محبوب کے چہرے پر چھوڑ دیا، وہ دونوں مسکرائے ہنسے
و سگریٹ جو ایک انگلی سے دوسری انگلیوں میں جاتا رہا جیسے وہ سگریٹ نہ ہو منگنی
کی انگوٹھی ہو۔ محبت کا پیام ہو۔ پیام کی خوشبو ہو۔ خوشبو کا دھواں ہو میٹھا میٹھا،
دھیما دھیما۔ سوندھا سوندھا۔ یکایک میرا جی بے اختیار سگریٹ پینے
کو چاہنے لگا۔ دوسرے لمحہ میں میں نے ویٹر کو آواز دی اور اب
اولڈ بلیک کا سگریٹ میری انگلیوں میں تھا۔

بشو ناتھ چپ ہو گیا۔ اور سگریٹ پینے لگا۔

کمرے میں دیر تک خاموشی رہی۔

مجھے بشو ناتھ سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

"تم نے ابتک شادی کیوں نہیں کی ؟" میں نے اس سے پوچھا

"امجد بھائی!" وہ بولا "میری زندگی اتنی تنگ و دو میں گذری ہے کہ کیا کہوں
میں ایک غریب باپ کا بیٹا تھا دنیا میں میرا کوئی مددگار نہ تھا۔ دولت پیدا کرنے کے
لئے کامیاب ہونے کیلئے میری ساری زندگی دوسروں سے لڑتے،
جھگڑتے ہی گزر گئی۔ میں نے کتنے ہی پیشے اختیار کئے کتنے ہی
ایمان بدلے جیسے گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔ جب جا کے میں نے وہ
رقم جوڑی جس کے بل بوتے پر میں آج کیا ساری زندگی وہسکی
پی سکتا ہوں۔ لیکن میں جب تک یہاں پہنچا میری جوانی گذر چکی
تھی۔ میں بڈھا، موٹا اور بدصورت ہو چکا تھا۔

بدصورت۔ باہر سے بھی اور اندر سے بھی کیونکہ جو اندر
ہے اور جو باہر ہے اس کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ ورنہ

www.taemeernews.com

میں لبشو ناتھ نہیں، تم امجد نہیں، یہ جگن ناتھ نہیں، سامنے وہسکی نہیں دروازے پہ لوہے کی جالی نہیں۔"

"ہاہاہا ــــــ" جگن ناتھ نے زور کا قہقہہ لگایا۔

بشوناتھ خفا ہو کے بولا ــــــ

"اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی؟"

"ساری!" جگن ناتھ فوراً پشیمان ہو کے بولا۔ اور فوراً اسکے دل کے اندر قرضے کا بیرومیٹر تیس سے اتر کر بیس پہ آرہا۔ اب کل بیس روپے سے زیادہ نہیں ملنگے جائینگے۔ استاد؛ اگر ایک ایسی غلطی تم اور کر گئے تو بیس بھی نہیں مانگ سکو گے ذرا ہوشیاری سے چلو،

جگن ناتھ نے اپنے دل میں سوچا۔

بشوناتھ کہنے لگا ــــــ

"میں جانتا ہوں، اب کوئی عورت میری عزت نہیں کر سکتی مجھ سے محبت نہیں کر سکتی عمر بھر میں نے بزنس کی عورتوں سے بھی میں نے بزنس ہی کی، یعنی شادی کبھی نہیں کی، سوچا ہی نہیں بزنس ہی کرتا رہا، اور اب بہت دیر ہو چکی ہے اب تو کوئی ادھر دیکھتا بھی نہیں، لوہے کی جالی سے ہر روز باہر جھانکتا ہوں، گلی سے عورتیں گزرتی ہیں اور گھونگھٹ کاڑھے گزر جاتی ہیں۔ ایک دفعہ اپنے دوست جگن ناتھ نے ایک طریقہ بتایا تھا۔ اسے بھی آزما کے دیکھ چکا ہوں،"

"وہ کیا طریقہ ہے؟" میں نے بہت دلچسپی سے پوچھا۔

بشوناتھ بولا ــــــ

"یہ اپنا جگن ناتھ ہے نا یہ ان معاملوں میں بہت طاق ہے، اس نے مجھ

www.taemeernews.com

سے کہا کہ لڑکی پر آتے ہی داؤ نہیں پھینکنا چاہیئے، یعنی اسطرح نہیں گھورنا چاہیئے کہ جیسے آپ اسے کھا ہی جائیں گے بلکہ اگر ہو سکے تو آپ دو تین دن تک اُلٹے بے پروائی برتیئے۔"

"بہت مشکل کام ہے" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اسے ایسا جتائیے جیسے آپ کو اسمیں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، حالانکہ اندر سے آپ مرے جا رہے ہیں اس کے لئے بس تین دن ایسا کیجئے پھر دیکھئے چوتھے دن وہ ضرور آپکے قدموں میں..."

"سچ سچ ...!" میں نے حیرت سے کہا۔

بشو ناتھ نے کہا ... "میں نے آزما کے دیکھا۔ ہاں ہماری گلی میں ایک ریفیوجی لڑکی رہتی تھی، اپنی ماں کے ساتھ بوڑھی ماں کے علاوہ اس کے اور گھر والے پاکستان سے آتے ہوئے سب مر گئے تھے۔ بس یہ دونوں بچے، لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ بانکی چھریری۔ جب چلتی تھی میں ذرا عورت کی چال دیکھا کرتا ہوں، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جوانی مجسم ہو کر چل رہی ہے۔"

بشو ناتھ نے مسکرا کر میری طرف دیکھا میں مسکرایا اس نے جگن ناتھ کی طرف دیکھا۔ لیکن اس کا چہرہ بالکل خالی تھا جہاں کوئی تاثر نہ تھا۔ جگن ناتھ تو کٹ گیا، ذرا دیر کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ قہقہے کی ایک اچھی جگہ ہو سکتی تھی۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی پھر کون بیوقوف ہنستا۔ لیکن اسے ہنسنا چاہیئے تھا، بڑی غلطی ہوئی سالا کل پندرہ روپے بھی نہیں دے گا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگا۔

"اچھا پھر ـــــ؟" میں نے پوچھا

www.taemeernews.com

"ایک دن وہ میرے کمرے میں سیدھی یہاں آگئی جہاں فون رکھا ہوا ہے اور مجھ سے کہنے لگی ___

" جی میں ذرا ایک ٹیلی فون کر لوں ؟"

میں نے یوں ہی سرسری نظر سے اس کی طرف دیکھا، کیونکہ جگن ناتھ کی نصیحت مجھے یاد تھی، پھر منہ پھیر کر کہا۔
"کر لو ___"

اس نے کالج میں فون کر کے چھٹی لی تھی۔ فون کرنے کے بعد وہ دونی برس سے نکال کر مجھے دینے لگی میں نے کہا ___

" دوسرے کمرے میں جا کر میرے بنجر کو دیدو "

اتنا کہہ کر میں اپنی فائلوں میں مصروف ہو گیا۔ جلتے جلتے میرے کانوں نے اسکی نقرئی ہنسی سنی میری آنکھوں نے نائل کے کونے سے فرش پر گزرتے ہوئے اسکے نازک ٹخنوں کو دیکھ لیا۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ لیکن میں نے سر اٹھا کر اوپر نہیں دیکھا۔ کیونکہ ڈاکٹر کا مشورہ یہی تھا۔

اسکے بعد وہ پھر فون کرنے آئی میں نے پھر اسی بے پروائی سے کام لیا۔ اور اس سے کہا۔ میں اسوقت خود مصروف ہوں، دو آدھے گھنٹہ کے بعد آئے، وہ آدھے گھنٹے کے بعد پھر آئی فون کر کے گئی نہیں، میری کتابوں کی الماری دیکھنے لگی۔ اس میں سے اس نے ہا مسٹری پر ایک کتاب پسند کی، اور اسے الماری سے نکال کے کہنے لگی ___

" جی یہ کتاب لے جاؤں، پرسوں واپس کر جاؤں گی ___ ؟"

میں نے اسی طرح بہت سنجیدہ لہجہ میں کہا ___

www.taemeernews.com

"لے جاؤ ۔ مگر کتاب کی جلد خراب نہ ہو ، اس پر کاغذ چڑھا لینا ۔ مجھے گندی جلدیں پسند نہیں ہیں ۔"

میں نے ذرا سختی سے کہا ـــــــ

وہ بہت مسکین لہجہ میں بولی ـــــــ

" جی نہیں ، میں بہت احتیاط سے آپ کی کتاب کو رکھوں گی ۔"

اس کی آواز بہت پیاری تھی ، میرا جی چاہا کہ اسے اپنے پاس بٹھا کے ذرا گھڑی دو گھڑی کے لئے باتیں کر دوں لیکن اس سے لالہ جگن ناتھ کا فارمولا غلط ہو جائیگا اس لئے میں اسی طرح آنکھیں نیچی کر کے اپنے کاغذ دیکھتا رہا آج ٹخنے بھی نہ دیکھ سکا ۔ کیونکہ اس نے سینڈل ہی ایسے پہنے ہوئے تھے ۔

دو دن کے بعد وہ کتاب واپس کرنے آئی اور اب کے وہ خود میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی ۔ اور میں نے محسوس کیا کہ اس فارمولے میں اثر ہے کیونکہ آج اس نے مجھ سے خود ہی باتیں شروع کر دیں ۔ اپنی زندگی کے حالات بتانے لگی ۔ اپنی بوڑھی ماں کی مصیبتوں کا ذکر کرنے لگی ۔

وہ مجھ سے پوچھنے لگی ۔ "آپ کو پامسٹری آتی ہے ؟"

جب میں نے کہا ، تھوڑی سی آتی ہے ، تو آ کے میرے صوفہ پر بیٹھ گئی اور ہاتھ پھیلا کے کہنے لگی "میرا ہاتھ دیکھئے ، میری قسمت میں کیا لکھا ہے ؟"

میرا دل دھڑکنے لگا ، آج اس کا پیارا سا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور میں

www.taemeernews.com

اپنے احساس کی لکیریں گن رہا تھا۔

" بتائیے نا ۔"

میں نے کہا ۔" تم جس سے محبت کرتی ہو وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔"

اسکی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں ۔ اسکے چہرے کا رنگ اڑ گیا ۔ سر جھکا کر بولی ۔

" آپ سچ کہتے ہیں ۔۔۔ وہ بہت بے وفا ہے ۔"

پھر میری طرف دیکھ کر بولی ۔" اب میں کیا کروں ؟ "

" اسے چھوڑ دو ۔۔ "

" لیکن وہ بہت ۔۔۔ بہت اچھا لگتا ہے مجھے وہ ملٹری میں کپتان ہے ۔"

" فوجیوں سے محبت کرنا اچھا نہیں ہوتا فوجی دو مہینے کے لئے شادی کرتے ہیں ، ساری زندگی باہر رہتے ہیں ، تم جوان ہو ، ساری زندگی کیا ایک کپتان کی تصویر سے محبت کر سکو گی ۔ "

وہ آبدیدہ ہو کر اس روز چلی گئی ۔

دوسرے دن وہ اپنی ماں کو لیکے آئی ۔ اسکی ماں بولی ۔۔۔

" آپ تو خوب ہاتھ دیکھتے ہیں مہاراج ! آپ تو وہ بات بتا دی پنڈت جی ۔ "

وہ مجھے پنڈت سمجھنے لگی " جو ہم نے گلی محلے میں کسی کو نہیں بتائی ۔"

لڑکی کی ماں نے اپنا ہاتھ میری طرف پھیلا دیا اور آنکھیں مٹکا کے بولی ۔۔۔

" ذرا میرا ہاتھ بھی تو دیکھئے ۔۔ "

میں ذرا ایکدم گھبرا گیا ، معاملہ ٹیڑھا ہوتا جا رہا تھا ۔ نادو لاگ نظر رہا تھا اس لئے ایک

www.taemeernews.com

لمحہ کیلئے خاموش رہا، اسکی ماں نے شاید میری خاموشی کا غلط مطلب لیا ہو بولی۔
" ذرا ہاتھ اچھی طرح سے دیکھئے پنڈت جی ہم آپ کا حق نہیں رکھینگے"
میں نے ماں کا ہاتھ دیکھا، پامسٹری میں ذرا بھی نہیں جانتا تھا۔
لیکن پامسٹری ذرا نفسیاتی بھی ہو سکتی ہے، اسلئے میں نے دو تین بنائی
اچھی باتیں کہیں، یعنی وہ باتیں جو ہر انسان اپنے لئے سچ سمجھتا ہے
مثلاً میں نے کہا۔ " دیکھئے جی یہ ہاتھ کہتا ہے کہ آپ کا پاکستان میں
بہت نقصان ہوا "
" نقصان کی کیا پوچھتے ہو پنڈت جی۔ پاکستان میں تو میرے
وہ بھی مارے گئے۔ میرا تو کچھ بھی نہ رہا، ہرا بھرا گھر لٹا کے آئی، بس
ایک یہ لڑکی بچی ہے!" اس نے پلو سے آنسو پونچھ لئے۔
میں نے کہا۔
" ویسے آپ کا کام تو چلتا ہے لیکن وہ روپیہ پیسہ نہیں ہے جو
آپکے پاس ہونا چاہیئے "۔
" بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔" ماں فوراً سر ہلا کے بولی
" چھ مہینے سے اسکے کالج کی فیس نہیں دی یہ ایک جگہ ٹیوشن کرتی
ہے وہاں سے بھی اسکے پیسے نہیں ملے جانے دنیا کو کیا ہو گیا ہے"
" میں نے کہا آپ دل کی بہت اچھی ہیں لیکن دنیا والے آپ
کی قدر نہیں کرتے۔"
ماں نے بیحد خوش ہو کے میری طرف دیکھا۔
"بالکل سچ کہتے ہیں آپ نے تو مجھے ایسا دیکھ لیا جیسے کہ زندگی
بھر دیکھتے رہے ہوں ۔ .... سچ کہتی ہوں میرے رشتہ دار وں

www.taemeernews.com

سے اتنا کرتی ہوں کہ قدموں تلے بچھی جاتی ہوں، ابھی پرسوں اس کی موسی کی لڑکی کا بیاہ تھا۔ میں تین سیر مٹھائی، ایک شنوّن کا سوٹ اور دو دوپٹے اور .....۔

بڑھیا دیر تک اپنی اچھائیوں کی اور رشتہ داروں کی کمینگی اور سفلہ پن کی باتیں کرتی رہی اور میں بڑے مزے میں لڑکی کی طرف دیکھتا رہا اور بیچ بیچ میں بڑھی کی باتیں سنتا رہا۔ اچھا وقت گزر گیا۔ میں نے بڑھی کو صلاح دی کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی اس فوجی کپتان سے ہرگز ہرگز نہ کرے ورنہ زندگی بھر پچھتائے گی۔ بڑھی نے لڑکی کے سامنے اس کا وعدہ بھی کرلیا۔ ماں اور بیٹی دونوں دو تین گھنٹے بیٹھ کر میرا بہت بہت شکریہ ادا کرکے گئیں۔ میں نے کہا، یہ فارمولا کامیاب رہا اب منزل مقصود دور نہیں۔

اسکے چار روز بعد شام کے وقت جب سورج غروب ہو رہا تھا اور میرے جالی دار دروازہ کے باہر مرد اور عورتیں اور بچے ہنستے ہوئے ایکدوسرے سے باتیں کرتے ہوئے گزر رہے تھے، وہ بہت ہی عمدہ لباس پہنے ہوئے اپنے حسن پر مغرور، اپنی چال پر نازاں، اپنی مسرت کو سورج کی شعاعوں کی طرح بکھیرتی ہوئی اندر آئی۔ اور بولی ــ "میں ٹیلیفون کر سکتی ہوں؟"

"شوق سے!" میں نے کہا اور وہ میرے قریب بیٹھ کر ٹیلیفون کرنے لگی۔ آج اسکے لباس میں خوشبو رچی ہوئی تھی۔ فون اس نے کالج میں کیا تھا ایک ماہ کی چھٹی لی تھی، پھر میری طرف گھوم کر بولی۔

"لدھیانہ میں اسی فوجی کپتان کے ساتھ میری شادی ہو رہی ہے میری ماں کو رشتہ پسند آگیا ہے"

میرے چہرے نے کچھ کہا ہوگا۔ میں نے تو یہ خبر سن کر کچھ نہیں کہا

www.taemeernews.com

وہ آہستہ سے بولی اور بہت معصومیت سے بولی ایسی معصومیت سے جیسی چوہے سے کھیلتے وقت بلّی کی آواز میں ہوتی ہے ۔ میری ماں میری شادی ایک بلّھے، موٹے اور بدصورت آدمی سے کرنا چاہتی تھیں مگر۔۔

وہ یکایک کھڑی ہوگئی۔ آج میں اس کے سینڈلوں میں اسکے ٹخنے اسکی ایڑیاں، سینڈلوں سے گزرتی ہوئی مہندی کی خمیدہ لکیر کو دیکھ سکتا تھا۔ جو اس کے پاؤں پر ایک سرخ برچھی کی طرح کھنچی ہوئی تھی ایسی برچھی جسکی نوک میرے دل پر تھی دروازہ کی سمت چلتے چلتے وہ رکی پھر میری طرف مڑ کر بولی ۔۔ " آپکے گھر گر اموفون ہو تو آجکی رات کیلئے مجھے دیدیجئے"۔ میں نے اس خوشی میں اپنی سہیلیوں کو دعوت پر مدعو کیا ہے۔

میں کچھ نہ کہہ سکا وہ چلی گئی جالی دار دروازہ کھل کر بند ہو گیا لیکن آج اس دروازہ کے اندر اور باہر بھی کوئی فرق نہیں تھا۔ میں اسے دیکھ سکتا تھا وہ مجھے ۔۔۔"

کہانی سنا کر بشّو بابو دیر تک خاموش رہا، دیر تک ہم خاموشی سے وہسکی پیتے رہے دیواروں پر تاریک سائے شانہ کھڑے ہو گئے تھے ۔ روشنیاں مدھم ہو گئیں تھیں، پردے کے پیچھے اب کوئی گرم گرم سانسیں نہیں لے رہا تھا۔ تصویریں پھر پیچھے دیواروں پر اپنے اصل مقام پر چلی گئی تھیں ۔ میں نے کہا۔

" تمہاری غلطی یہی رہی ہے بشّو بابو! کہ تم نے عورت کو ٹکرا کے حاصل کرنا چاہا ہے حالانکہ محبت میں سب کچھ دیدینا ہوتا ہے اور کچھ مانگا نہیں جاتا ۔۔۔۔"

بشّو ناتھ بولا ۔۔ " میں محبت نہیں کر سکتا، بزنس کر سکتا ہوں

www.taemeernews.com

محبت کے لئے بہت دیر ہو چکی ہے۔"

میں نے کہا ـــ "یہ دنیا اتنی پرانی نہیں ہے جتنی تم سمجھتے ہو محبت کے لئے کبھی دیر نہیں ہوتی۔"

جگن ناتھ بولا ...." یہ سب بکواس ہے بشو بابو میں آپکو ایک نیا فارمولا بتاتا ہوں جو اگر چوک جائے تو میرا ذمہ، معشوق لال نے اپنے ہاں نیا فون لگوایا ہے، گلابی رنگ کا، خوبصورت سا، بانکا سا ٹیلیفون، خوبصورت ہاتھوں میں اور بھی خوبصورت لگتا ہے دور دور سے لڑکیاں آس پاس کے فون چھوڑ کر وہاں فون کرنے آتی ہیں، بس آپ سے کیا کہوں، ذرا خود سوچئے تو ...."

بشو بابو کی آنکھیں چمکنے لگیں، جگن ناتھ نے سوچا، کل پورے بچاس ہی مانگ لوں گا اس سے، ایسا موقعہ پھر کب ہاتھ آئیگا؟

میں نے کہا" بشو بابو، عورت مکھی نہیں ہے محبت مکڑی کا جالا نہیں ہے"

لیکن اس واقعہ کے تیسرے دن جب میں پھر بشو بابو کے گھر گیا تو وہ اپنے کمرے میں صوفہ کے پاس ایک تپائی پر گلابی رنگ کا ایک نفیس ٹیلیفون رکھے ہوئے تھے اور جالی دار دروازے سے باہر جھانک رہے تھے، جہاں عورتیں گلی میں گھونگھٹ کاڑھے دروازہ سے منہ موڑے گزر رہی تھیں۔

www.taemeernews.com

ایک خط
ایک خوشبو

پیاری مونا،

گاڑی کرجت کے اسٹیشن سے نکل چکی ہے اور پونا کی طرف جا رہی ہے، تمہارا خط میرے ہاتھ میں ہے، نیلے رنگ کا لفافہ، نیلے رنگ کا کاغذ، بے رحم نیلی تحریر، جسمیں تمنے لکھا ہے "میں روزاریو کی ہو چکی، تم مجھے بھول جاؤ یا مر جاؤ!" میں تمہیں بھول تو نہیں سکتا، اس لئے مر جاؤں گا جس وقت تمہیں میرا خط ملے گا میں مر چکا ہوں ... میں جانتا ہوں، اس واقعہ کے بعد بھی تمہاری زندگی میں کوئی کمی نہیں آئیگی، تمہارے سبز پردوں والے ڈرائینگ روم میں کوئی صوفہ ادھر سے ادھر نہیں ہوگا، کتابوں کی کوئی الماری ادھر سے ادھر سرکائی نہیں جائیگی موسیقی کے ریکارڈوں میں سے کوئی ریکارڈ توڑا نہیں جائیگا، وہ مونڈھا بھی یونہی رہیگا جسپر بیٹھ کر میں تمہیں اپنے ناخنوں پر سرخی لگاتے ہوئے دیکھا کرتا تھا، میرے بعد شاید کوئی دوسرا آئیگا اور اسی طرح اس منظر کو دیکھا کریگا. مونڈھا وہیں رہیگا صرف روزاریو کا رقیب بدل جائیگا، میں جانتا ہوں میرے مرنے سے تمہارے

www.taemeernews.com

لبوں پر ایک آہ، تمہارے سینے میں ایک لرزش، تمہاری آنکھ میں ایک آنسو نہ آئیگا۔ مجھے معلوم ہے روزاریو یہ خبر سن کر ایک طنز بھری مسکراہٹ سے تمہاری طرف دیکھے گا، اور تمہاری کمر میں ہاتھ ڈال کے تمہیں کھانے کی میز کی طرف لیجائیگا اور تم اور روزاریو آہستہ آہستہ چھری اور کانٹا چلاتے ہوئے کھانے کے کورسوں کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے۔ یہ خیال کئے بغیر کہ آج کسی کی زندگی کا آخری کورس ختم ہو گیا، آج کسی کیلئے اشتہا ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی کیونکہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اسکیلئے ساری دنیا مر جاتی ہے گھاس کی خوشبو اسکے لئے نہیں ہے اور پتے کی خوشبو اسکے لئے نہیں ہے۔ اور شہر کی خوشبو اس کے لئے نہیں ہے اور غنچہ کی خوشبو اسکے لئے نہیں ہے، کوئی خوشبو اسکے لئے نہیں ہے۔ اور کوئی اذان اسکے لئے نہیں ہے۔ اور کوئی تمنا اسکے لئے نہیں ہے اور کوئی درد اسکے لئے نہیں ہے اور کسی کی محبت کی کسک اسکے لئے نہیں ہے اور اب وہ وائلن نہیں سن سکتا۔ اور ندی میں پاؤں ڈال کے پانی سے نہیں کھیل سکتا اور گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کسی گذرتی ہوئی خوبصورت عورت کی طرف اس معصوم حیرت سے نہیں دیکھ سکتا، جیسے اس نے آسمان کی پہنائیوں میں لیکایک کسی سبک خرام بادل کے سپید ٹکڑے کو اڑتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔ موت کے بعد زندگی کی ساری خوشبوئیں اسکے لئے مر جاتی ہیں اسی لئے موت کا غم ہوتا ہے، یہ غم اتنا ہی لازمی ہے، جتنی کہ موت لازمی ہے۔

تم کہو گی، اگر تم مجھے بھول نہیں سکتے تھے، تو مرنے کیلئے

www.taemeernews.com

بمبئی سے اتنا دور جانے کی کیا ضرورت تھی، یہ ضرورت اسلئے پڑی کہ بمبئی میں تم ہو اور روزاریو ہے اور تمہارا گھر ہے اور تمہارے گھر کا وہ چھپتا ہوا برآمدہ ہے جسکے ستون سے لپٹی ہوئی عشق پیچاں کی بیل سے کھیلتے ہوئے ہم دونوں گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے. بمبئی میں وہ ساحل موجود ہیں جنہوں نے ہماری محبت کے قدموں کی آہٹ سن لی ہے وہ ناریل کے سرسراتے ہوئے پتے موجود ہیں جنہوں نے ہماری الفت کی سرگوشی سنی ہے. بمبئی میں مجھ سے مرا نہ جائے گا اسلئے میں پونا جارہا ہوں۔ وہاں بیٹھ کر آج میں ٹھاٹھ سے ریس کھیلوں گا، اپنے بنک کے آخری روپے سے، اور سب ہار جاؤں گا پھر واپس ہوٹل پہنچکر اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے اپنی زندگی کے آخری لمحہ سے بھی کھیلوں گا اور اسے بھی ہار جاؤں گا جب زندگی میں تمہاری محبت نہ جیت سکا تو پھر کسی شئے کے جیتنے میں مزہ نہیں آئے گا.

اس وقت رات اپنے آخری لمحوں پر ہے اور صبح کاذب کا کہرا اور دھندلکا چاروں طرف چھایا ہوا ہے، افق پر کہیں بھی سورج کا سنہرا رنگ نہیں ہے، ہر طرف ایک مغموم سیاہی ایک اداس سپیدی میں گھل کر دھندلکوں کو اور گہرا کر رہی ہے. ہوا میں ایک تیز خنکی بھی آچکی ہے، کیونکہ گاڑی اب مغربی گھاٹ بلندیوں کی طرف دوڑی جا رہی ہے مون سون کے پردیسی بادل سبز گھاٹیوں پر جھکے ہوئے ہیں. اپنے سینوں میں محبت کے ان گنت آنسو چھپائے ہوئے، یہ بادل

www.taemeernews.com

بھی میری طرح اداس دکھائی دیتے ہیں، یہ راہی بادل جو بہت دور سمندر سے اجانی طوفانی لہروں پر جھکتے یہاں آتے ہیں اور مغربی گھاٹ کی چوٹیوں کو اپنی اداس محبت کے گیت سنا کر چلے جاتے ہیں اور مغرور چوٹی سرسبز و شاداب چوٹی تمہاری طرح اپنے پندار کو لئے اسی طرح کھڑی رہتی ہے اور ایک لمحہ کیلئے اپنی باہیں وا نہیں کرتی۔ ان بادلوں کو روکنے کیلئے جن کی روح کا سارا رس اس نے چوس لیا ہے۔

گاڑی بھاگی جا رہی ہے، میرے سامنے کی کھڑکی میں ایک گوائی حسینہ اپنے شوہر کے کندھے پر رخسار رکھے بہت اطمنان سے سو رہی ہے کیسی عجیب انوکھی، گہری، نہ سمجھ میں آنے والی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ہے وہ کیسا خواب دیکھ رہی ہے؟ کسے دیکھ کر مسکرا رہی ہے! یہ کیسے پھول ہیں جو اس کے ذہن میں چمک رہے ہیں یہ کون سے جگنو ہیں جو اس سپنوں میں اڑ رہے ہیں اے سوئی ہوئی حسینہ ان جگنوؤں کی تھوڑی سی چمک مجھے بھی دیدے۔ ان سپنوں کا ایک گوشہ میرے لئے بھی الگ کر دے۔ ان پھولوں کی ذرا سی مہک مجھے بھی بخش دے۔ میں تو مرنا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا کروں میرے کاندھے کو کسی کا رخسار نصیب نہیں، میرے بالوں سے کسی کی زلف نہیں الجھی، میرے جسم سے جو جسم مس ہوتا تھا وہ اسوقت غیر کی آغوش میں ہے پھر میں کیسے زندہ رہوں۔ اے سوئی ہوئی گوائی حسینہ بس مجھے اتنا بتا دے ـــ لیکن سوئی ہوئی گوائی حسینہ خواب میں اور مسکرا دیتی ہے اور میں نظر

www.taemeernews.com

پھیر کر باہر دیکھنے لگتا ہوں، ایں؟ یہ باہر ہے کیا تمہارا گھر گذر گیا؟ یہ صحن بالکل تمہارے گھر کی طرح تھا۔ وہی سیڑھیاں، وہی چھپتا ہوا برآمدہ وہی اندر دروازہ پر بھاری پردے سرسراتے ہوئے وہی ستونوں سے لپٹی ہوئی عشق پیچاں اور بوگن ویلس کی بیلیں، یاد ہے مونا جب پہلی بار میں تمہارے گھر میں آیا تھا جب میری نگاہوں نے تمہاری نگاہوں کا اور تمہاری نگاہوں نے میری نگاہوں کا پیام سمجھ لیا تھا جیسے صرف نگاہیں ہی سمجھنا جانتی ہیں۔ اس بار جب تم مجھے رخصت کرنے کیلئے باہر برآمدے میں آئی تھیں۔ اور کچھ دیر تک میرے ساتھ کھڑی رہیں تھیں اس وقت روزاریو ہمارے بیچ میں نہ تھا۔ وہ ایک طرف شرمندہ اور شکست خوردہ سا کھڑا تھا اور میں گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ اور تم دیر تک رخصت کے وقت ہاتھ ہلاتی رہی تھیں وہ پہلی بار اور اسکے بعد سینکڑوں بار وہ برآمدہ میری زندگی میں آیا، جب تم نے بہت ہی مسرت اور بے پایاں خوشی سے ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے اپنے گھر سے رخصت کیا اور روزاریو ستون سے لگا سر جھکائے سب دیکھتا رہا۔ اور پھر وہ شام جس کے بعد تمہاری اور میری زندگی میں کوئی شام نہیں آئیگی، جب روزاریو ہی سب کچھ تھا اور میں کچھ نہ تھا اور میں نے تم سے تین بار پوچھا مونا، میں جاؤں، میں جاؤں میں جاؤں؟ اور تم نے ایک بار بھی کچھ نہ کہا، تمہاری پلکیں جھکی رہیں۔ تمہارے ہاتھ بے سدھ پڑے رہے اور روزاریو کی مسکراہٹ اور کمرے کی ہر دیوار مجھے ہنستی رہی اور میں چپ چاپ اس مونڈھے سے اٹھ کھڑا ہوا اور کوئی اس کمرے سے نہیں نکلا اور کسی نے مجھے الوداع نہیں کہا، اور میں آہستہ سے چلمن اٹھا کے

www.taemeernews.com

تمہارے کمرے سے باہر برآمدہ میں آگیا آج برآمدہ خالی تھا بڑے دبیز تھے، پھول سرنگوں تھے اور میں نے مسکراتے دل سے کہا آج کسی نے کسی کے دل میں محبت کے پھول کھلائے ہیں اور ہماری قسمت میں خالی برآمدے آئے ہیں چلو خالی آسمانوں کو تکنے والے راہی یہاں سے بھی چلو میں نے ایک لمحہ مڑکر اس خالی برآمدہ کی طرف دیکھا، اس دروازہ کی طرف جسکی چلمن کے اسطرف تم تھیں۔

اور رونا ارلیو، اور سچ میں یہ خالی برآمدہ تھا آج کے بعد میں تو مرجاؤں گا۔ لیکن تم جب جب اس برآمدے میں آؤ گی تو عشق پیچاں کے پھولوں میں میری مہک پاؤ گی۔

لیکن یہ میری خوش فہمی ہے، تمہاری زندگی میں میری یاد تک نہیں مہکے گی، کیونکہ میری یاد ایک ایسا پھول ہے جسمیں کوئی خوشبو نہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کہہ رہا ہوں، کیا لکھ رہا ہوں کدھر بھاگا جارہا ہوں گاڑی کدھر بھاگی جارہی ہے، گاڑی بمبئی سے پونا جانیوالی گاڑی ہمیشہ بھاگتی رہتی ہے بمبئی سے پونا اور پونا سے بمبئی۔ میں اسکی زندگی کی دو حدیں ہیں شاید دو حدیں اسکی اور بھی ہیں۔ یعنی اس کے قدموں میں ریل کے سلیپر ہیں اور سر پہ تانا بجلی کے تار، ان چار حدوں کے باہر یہ گاڑی نہیں جاتی۔ اور جب جاتی ہے تو مر جاتی ہے تمہیں یاد ہو گا جب ایکبار ہم دونوں اس گاڑی سے سفر کر رہے تھے اور رد زار یو نے جل کے تمہیں لکھا تھا کہ

کاش تمہاری گاڑی راستے میں الٹ جائے۔

اور جب سچ مچ یہ گاڑی مغربی گھاٹ کی ایک ڈھلان لڑھک گئی تھی۔

www.taemeernews.com

سے ٹوٹھک گئی تھی، کتنے ہی مسافر مر گئے تھے۔ کتنے ہی زخمی ہوئے تھے، عمر بھر کے لئے اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو کھو بیٹھے تھے۔ کیوں کہ گاڑی اپنی حدوں کے باہر گر گئی تھی۔ جب کوئی زندگی کی حدوں کو چیر کے نکل جانا چاہتا ہے تو اُس کے ساتھ یہی ہوتا ہے، اِس میں حیرت کی کوئی بات نہیں، حیرت صرف اِس بات پر تھی، کہ اِس حادثے میں، میں اور تم روزاریو کی بددُعا کے بعد بھی زندہ رہے تھے۔ تم ایک پھولوں کے تختے پہ جا گریں اور تمہارے قریب میں جنگلی کیلے کے پتوں پر۔ مجھے جو بات اِس وقت یاد آتی ہے۔ وہ اپنا اور تمہارا اِس طرح غیر متوقع طور پر بچ جانا بلکہ ایک تیتری کی بات یاد آتی ہے۔ جہاں میں گرا وہاں قریب ہی ایک تیتری اُڑ رہی تھی، دُوسرے لمحے میں وہ ایک جھٹکے سے میری اُنگلیوں میں مسلی گئی، دو تین بار اُس نے اپنے حسین پر چلائے اور پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہو گئی۔ مجھے یاد ہے اُس کے پروں کا رنگ میری اُنگلیوں سے لگا ہُوا تھا اور وہ اپنی پتھریلی آنکھوں سے میری طرف تک رہی تھی۔ کیوں؟ کیوں؟ آخر میں نے ایک معصوم تیتری نے پھولوں پہ منڈلانے والی تیتری نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ تم کیوں بلا اجازت میری دُنیا میں گھس آئے۔ اِس کی شکایت آمیز نگاہیں مجھے آج بھی پریشان کئے دیتی ہیں، میں جانتا ہُوں تم مجھے احمق کہو گی، میں جانتا ہوں۔ میرے پاس اپنی اِس حماقت کا کوئی جواب نہیں، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری اِس دُنیا کے پاس جو پہیوں کی عاشق ہے اور تیتری کی دشمن ہے اِس کا کوئی جواب نہیں، آج بھی اِس گاڑی میں بیٹھا ہُوا میں بھی سوچ رہا ہوں، کیوں کہ تیتری کے پروں کا رنگ ہاتھوں سے چھُٹتا ہی نہیں۔ لیڈی میکبتھ کے ہاتھوں کی طرح یہ رنگ کبھی

www.taemeernews.com

پُھٹتا ہی نہیں لیکن میں یہ کس سے کہہ رہا ہوں۔ تم تو لیڈی میکبتھ سے بھی بہت آگے ہو تمہیں تو میرے خون کا رنگ اپنے ہاتھوں پر نظر بھی نہ آئے گا اور اگر آیا بھی تو بہت جلد چُھڑا لو گی۔

لو گاڑی بھاگتے بھاگتے آخر ایک اسٹیشن پر رُک گئی۔ چند مُسافر اُترے اور چند مُسافر چڑھ گئے اور ڈبے میں آکر بیٹھ گئے اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ نہ کوئی مرا، نہ جیا نہ کوئی حادثہ ہوا۔ نہ گاڑی ڈھلوان سے لُڑھکی۔ نہ کسی نے گاڑی تلے جان دی۔ نہ کسی نے عشق کیا، نہ نفرت، نہ محبت، نہ دوستی، کچھ بھی تو نہیں ہوا، بس اسٹیشن پر چند مُسافر اُترے، چند مُسافر چڑھ گئے۔ دھان کے کھیتوں میں کسان کام کرتے ہوئے نظر آتے رہے، اسٹیشن کے باہر ایک چنے والا چنے بیچتا رہا اور ایک مزدور عورت جس نے سبز رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی جس کا کنارہ گہرا سُرخ تھا، اپنے ننھے بچے کو جسے وہ انگلی سے لگائے کھڑی تھی۔ ٹھونگ ٹھونگ کر چنے کھلاتی رہی میں نے کھانس کر اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر تھوک دیا۔ بہت بُری حرکت تھی۔ میں جانتا ہوں تم اِسے کتنا ناپسند کرتی ہو۔ لیکن شاید اسی لئے میں نے پلیٹ فارم پر تھوکا تھا تمہیں چڑانے کے خیال سے نہیں۔ بلکہ اس خیال سے کہ اگر تم وہاں ہوتیں تو کس طرح ناک سکوڑ کے اظہارِ ناپسندیدگی کرتیں یعنی میں تمہاری ناپسندیدگی کے کسی کونے میں مہر و وفا کی جھلک ڈھونڈنا چاہتا تھا، اِس گداگر کتے کی طرح جو کوڑے کے ڈھیر میں روٹی کے کسی صحیح و سالم ٹکڑے کو تلاش کرتا ہے۔ میں اپنے تئیں بہت بے رحم ہوں بے رحم بننا چاہتا ہوں۔ ہر قسم کے عقلی، ادراکی، جذباتی خول اور پردے اُتار کر اپنے آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

www.taemeernews.com

نہ جانے آج اپنے آپ کو ننگا دیکھنے کی خواہش کیوں جاگ پڑی ہے۔ اس نمائش سے کیا حاصل ہوگا اور تم جو اپنے جسم کو ریشم اور لبوں کو میکس فیکٹر کی تہوں میں ہر وقت چھپائے رکھتی ہو۔ میری رُوح کو ننگی دیکھ کر مجھ سے اور بھی نفرت تو نہ کرنے لگو گی؟

گاڑی آہستہ آہستہ اسٹیشن سے نکلی، اب ہم گھاٹ کی پہاڑیوں کے دامن میں تھے۔ یکایک بارش کی آڑی ترچھی لکیریں سارے منظر پر کھنچ گئیں، کھیتوں میں کام کرنے والے جھک گئے، اور مینڈوں پر رکھی ہوئی خشک پتوں کی بنی ہوئی چھتریاں کھیپنے سروں پر رکھنے لگے۔ گوائی حسینہ جو اپنے شوہر کے کاندھے سے لگی سو رہی تھی بارش کی آواز سن کر یکایک جاگ گئی اور مسکرا کر اپنے شوہر سے کہنے لگی "اوہراں شاراں' شعاش شدلاں" میں صحیح طور پر ترجمہ نہیں کر رہا ہوں۔ اُس کے الفاظ کی شیرینی اور اُس کے لہجے کے کیف وکم سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ وہ گوا کی رہنے والی تھی اور اُس کی زبان بولتی تھی۔ یہ پرتگیزی حسینہ جو اپنے خون میں ہندوستان کی گرمی اور اپنے خد وخال میں ایشیائی تیکھا پن لئے ایک عجیب انداز میں، شیریں رواں لہجے میں بات کر رہی تھی۔ اُس کا گلا ہندوستانی تھا، زبان اجنبی، اس لئے دونوں نے مل کر ایک عجیب مٹھاس پیدا کر دی تھی۔ اِک عجیب موہنی، "دوہراں شاراں' شواش شارلاں" نہ جانے وہ کیا کہہ رہی تھی، لیکن مجھے تو یہی معلوم ہوا کہ جو وہ کہہ رہی ہے وہ یہی ہے بلکہ شاید اس سے کچھ زیادہ ہے۔ وہ ایک اجنبی گیت ہے۔ ایک پردیسی نغمہ ہے۔ مون سون کی بارش ہے جس کی مترنم صدا اس وقت ساری وادی پر چھا رہی ہے۔ اس کا شوہر مسکرانے لگا اور پھر وہ دونوں باذوئیں

www.taemeernews.com

بازو ڈال کر باہر دیکھنے لگے۔ان دونوں کے قریب اُس گوائی حسینہ کی ساس بیٹھی تھی سیاہ ریشم میں ملبوس گلے میں چاندی کی صلیب، دُبلا پتلا غمگین چہرہ مصری ممی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی تھی، وہ بالکل ایک ایسی اداس کیتھولک راہبہ نظر آتی تھی جس کی رُوح سرد ہو چکی ہو اور جس کے دل کے قطب اب اِس برقی رَو سے مرتعش نہ ہو سکتے ہوں، جو اس کے قریب ہی اُس جوڑے کے جسموں اور روحوں میں کار فرما تھی اور یہ سچ بھی ہے۔ جب دِل کے قطب سرد ہو جائیں اُس وقت زندگی کہاں رہتی ہے، اُس وقت بجلی کا قوی سے قوی تار بھی کہربائی رَو پیدا کرنے سے عاجز رہتا ہے لیکن وہ تو بے چاری بڑھیا تھی اور غمگین تھی اور مصری ممی تھی اِس لئے مُردہ تھی۔ تم جو اپنی جوانی کی سربلندیوں پر ہو۔ اور ہر وقت ہنستی رہتی ہو۔ تُم ——— کیا تم سچ مچ زندہ ہو.....؟

"ادہراں شاراں شواش شارلاں" نہ جانے وہ کیا کہہ رہی تھی اُس کے گلے سے الفاظ ایک مترنم ندی کی طرح بہہ رہے تھے اور اُس کا شوہر ہولے ہولے مُسکرا رہا تھا اور اپنی محبوبہ کے چہرے کی زیتونی رنگت پر بدلتے ہوئے سُرخ رنگ کی جھلکیاں دیکھ رہا تھا۔ گلابی، عنابی، شہابی..... لڑکی نے مُونگیا رنگ کی ساڑی پہن رکھی تھی اور اُس کی یہ ساڑی دو تین جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور اُس کے پاؤں میں پڑی ہوئی سینڈل بھی نئی نہ تھی، وہ بٹوا جو اُس کے ہاتھ میں تھا اُس کے چرمی کونے بھی مُڑے ہوئے تھے، ہر چیز پُرانی تھی بس اُس کا چہرہ نیا تھا، اس کی رُوح نئی تھی۔ اُس کی مُسکراہٹ نئی تھی اور وہ لہجہ نیا تھا۔ بارش کی طرح خنک اور بھیگا ہُوا شیریں اور خواب آور۔ اُس کے شوہر نے مُسکرا کر اُسے باہر کچھ دیکھنے کی

www.taemeernews.com

طرف اشارہ کیا۔ لڑکی نے نگاہ اُٹھائی، مَیں نے بھی، باہر ایک ڈھلان پر ایک چرواہا اور ایک چرواہی بھیڑیں چرا رہے تھے۔ چرواہن کی گود میں بھیڑ کا ایک بچہ تھا اور چرواہا چرواہی کے کندھے پر اپنی کہنی لگائے بنسی بجا رہا تھا۔ اُس منظر میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ برسوں کا جانا پہچانا پیارا منظر تھا۔

لیکن یکایک میں نے کیا دیکھا کہ لڑکی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور کھڑکی سے مُنہ پھیر کر اپنے شوہر کے بازوؤں کا سہارا لے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی......

مَیں تو بھوں چکا رہ گیا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ بھلا اس میں رونے کی کیا بات تھی۔ مَیں حیرت سے اس روتی ہوئی لڑکی اور اُس کے پریشان شوہر کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اُسے اُسی اجنبی زبان میں کچھ کہہ کر اطمینان دلانے میں، اُس کے آنسو پونچھنے میں مصروف تھا۔ یکایک بُوڑھی مصری ممی نے اُس نوجوان کی طرف گھور گھور کر کچھ دُرشت لہجے میں کہا۔ نوجوان پریشان نظر آیا۔ لڑکی اُسی طرح سِسک سِسک کر روتی رہی۔ بُوڑھی نے اُسے زیادہ بہلانے کی کوشش نہیں کی۔ میری بغل کی خالی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ باہر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے سیاہ ریشمی لبادے سے کسی اجنبی خوشبو کی مہک آرہی تھی، جیسے مصری ممی مدت کے بعد اپنے مقبرے سے باہر نکلی ہو۔ ایک پُرانی اجنبی سی خوشبو تھی۔ مَیں نے اُس کی طرف دیکھا بڑھیا کے ساکن ہاتھ کانپے اور اُس نے پھر اپنی صلیب کو چھُو لیا اور باہر دیکھنے لگی۔ اب پھر مکمل سکوت تھا۔ صرف اُس گوائی حسینہ کی دھیمی دھیمی سسکیوں کی آواز آرہی تھی

مَیں نے بڑھیا سے پوچھا۔ اِس کے شوہر نے اِسے کیا کہا جو یہ اِس طرح

www.taemeernews.com

رو رہی ہے ؟"

بڑھیا نے ایک لمحے کے لئے میری طرف حیرت سے دیکھا اور پھر بولی "تم سے کس نے کہا۔ یہ اِس کا شوہر ہے۔ یہ تو اِس کا بھائی ہے "

" بھائی ہے ؟" میرا منہ حیرت سے کھُلے کا کھُلا رہ گیا۔

" اور کیا " بُوڑھی ذرا سختی سے بولی "اِس کا شوہر تو جیل میں ہے "

" جیل میں ؟"

بُوڑھی نے سر ہلا دیا " اُسے اٹھائیس برس کی جیل ہوئی ہے "

" اٹھائیس برس کی جیل ؟ کیا کوئی قتل کیا تھا ؟"

" نہیں "

" ڈاکہ ڈالا تھا ؟"

" نہیں "

" پھر ، اٹھائیس برس کی جیل کیسے ؟ سمجھ میں نہیں آتا "

" سمجھ میں آنے والی بات بھی نہیں ہے لیکن کیا کیا جائے۔ وہ میرا بیٹا ہے اُسے اٹھائیس برس کی قید ہوئی ہے۔ برسوں کے بعد میں اُسے کبھی نہ دیکھ سکوں گی وہ لوگ لزبن جا رہے ہیں "

" لزبن ؟"

" ہاں ، اُس نے گوا کی تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا ہے "

" مگر ؟ —— مگر ؟ —— " میری نگاہیں پھر اُس لڑکی کی طرف گھوم گئیں ، جو اب اپنی آنکھیں پونچھنے میں مصروف تھی۔

www.taemeernews.com

" لیکن یہ لڑکی تو بہت خوش نظر آتی رہی۔ رستے بھر۔۔۔ "

" ہاں یہ بھی ستیہ گرہ کرنے گوا جا رہی ہے۔ اس نے اس کا خیال ہے وہ ایسے بھی گرفتار کر کے لے جائیں گے۔ اس لئے یہ اتنی خوش تھی۔ یہ گوا کی نئی پود ہے!" بوڑھی نے سختی سے کہا۔

میں حیرت سے کبھی بوڑھی ماں کبھی اس کی بہو کو دیکھتا رہا۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے پوچھا۔" جب یہ خوش تھی۔ تو پھر رو دی کیوں ؟

" تم بھی بالکل احمق ہو۔ یا خدا یہ مرد اتنے بے وقوف کیوں ہوتے ہیں"۔ بوڑھی نے دونوں بازو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔" کیا تم نے نہیں دیکھا وہ چرواہا اور چرواہی ایک دوسرے کو پا کر کتنے خوش نظر آتے تھے۔ تم نے اُن کی نگاہیں دیکھی تھیں۔ اُن نگاہوں کی حسرت کو دیکھ کر کس سہاگن کو اپنا شوہر یاد نہ آئے گا ؟ اونہہ، تم بھی بڑے احمق ہو..... "

اُس نے میری طرف پیٹھ موڑ لی۔

میں نے مسکرا کر کہا۔" ایک سوال اور ـــــــ"

بوڑھی نے گھوم کر کہا۔" تم بہت سوال کرنے لگے ہو۔"

" بس ایک سوال اور بوڑھی ماں۔ مقدس ماں اتنا بتا دو۔ تمہارا بیٹا اٹھائیس برس کے لئے جیل جا رہا ہے اور میں نے تمہاری آنکھ میں ایک آنسو نہیں دیکھا۔"

بوڑھی عورت نے مجھے گھور کر سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اُس کے مصری لیموں ایسے چہرے پر سرخی کی ایک غصہ بھری جھلک سی دکھائی دی وہ بولی۔" ماں بیٹے کو پیدا کرتی ہے کس لئے ؟ کیا صرف ایک بیٹا پیدا کرنے کے لئے، یا اُس کے ہاتھ

www.taemeernews.com

میں ایک دُنیا تھما دینے کے لئے ؟ ہر ماں اپنے بیٹے کو پیدا کرتی ہے تو اسے ایک دُنیا دیتی ہے۔ اور جب وہ بیٹا باپ بنتا ہے۔ تو اپنے بیٹے کو ایک دُنیا دیتا ہے اور اس طرح ماں باپ اور بیٹے میں ایک نیا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ یہ دُہرا رشتہ نہیں ہے یہ ایک تہرا رشتہ ہے۔ اگر ایک ماں اپنے بیٹے کو اپنی دُنیا سے بہتر دُنیا نہیں دیتی، چاہے وہ کتنی تھوڑی سی بہتر کیوں نہ ہو۔ ذرا سی بہتر، ذرا کی ذرا سی بہتر، اُس کے تخیل، اُس کے امکانات، اُس کے حوصلے سے بُہت کم بہتر لیکن پھر بھی اُس کی دُنیا سے بہتر، اگر ایک ماں اپنے بچے کو اتنا بھی نہیں دے سکتی تو پھر ایک انسان اور گائے بچھڑے کی محبت میں کیا فرق ہے ؟"

بُوڑھی نے بُہت غصّے سے میری طرف دیکھا۔ جیسے اپنے بیٹے کی قید کے لئے مجھے سزاوار ٹھہرا رہی ہو۔

میں نے حیرت، استعجاب، تقدّس اور عزت کے ملے جُلے جذبات سے اُس غریب بُڈھی عورت کو دیکھا جس کا بیٹا اٹھائیس برس کے لئے جیل جا رہا تھا اور جس کی آنکھ میں ایک آنسو بھی نہ تھا۔ اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ جو اپنے آنسوؤں کے درمیان اب مُسکرانے کی کوشش کر رہی تھی جیسے وہ ڈولی میں بیٹھی اپنے سُسرال جا رہی ہو، اپنے شوہر سے ملنے۔ مونا ہم تم دونوں نے ڈرائنگ رُوم میں محبت کی ہے۔ لیکن ذرا باہر آ کے اس محبت کو تو دیکھو۔ روزاریو اُس بینک کا مینیجر ہے جس کے کارندوں نے اور مالکوں نے چار سو سال سے گوا کے غریب لوگوں کو لوٹا ہے۔ نہ میں نے نہ تم نے، نہ روزاریو نے کبھی اِس حقیقت پر غور کیا کہ جب ہم لوگ ایک ڈرائنگ رُوم میں بیٹھ کے ایک خوشبودار محبت کو اپنے اپنے دِل کے گُلدانوں میں سجائے سُونگھتے رہتے

www.taemeernews.com

باہر خون برس رہا تھا، اور بہارا گو اجل رہا تھا۔

مونا! سوال تمہارے بھولنے اور میرے مرنے کا نہیں ہے۔ عمر ساٹھ سال کی ہو یا ایک سو ساٹھ سال کی، یا ایک ہزار ساٹھ سال کی، یہ عمر تو وقت کا ایک بہت ہی قلیل حصہ ہے جیسے بجلی کا کوندا لہرا کے گزر جائے۔ آدمی کے جینے سے پہلے اور مرنے کے بعد بھی وقت کا کوندا لپکتا رہا۔ آسمان پہ پرانے ستارے ٹوٹتے رہے اور نئے نجوم پیدا ہوتے رہے۔ زمین سورج کے گرد گردش کرتی رہی اور رہے گی اور ہمارے تمہارے خاک ہو جانے کے بعد بھی کرتی رہے گی۔ تمہارے حصے میں وقت کی اتنی ہی لپک، آفاق کی اتنی ہی وسعت، زمین کی اتنی ہی گردش آئی ہے۔ اس لئے سوال عرصۂ حیات کا نہیں ہے سوال حیات کا ہے۔ اپنی زندگی میں تم نے کیا کیا؟ کسی سے سچے دل سے پیار کیا؟ کسی دوست کو نیک صلاح دی؟ کسی دشمن کے بیٹے کو محبت کی نظر سے دیکھا؟ جہاں اندھیرا تھا وہاں کبھی روشنی کی کرن لے گئے؟ جتنی دیر تک جئے، اس جینے کا کیا مطلب تھا؟ مونا سنتی ہو؟

دیکھو مونا! مغربی گھاٹ پہ صبح ہو رہی ہے۔

گاڑی پونا کے قریب پہنچ رہی ہے۔ مغربی گھاٹ جگہ جگہ سے پھٹ گئے ہیں، اور دور مشرق میں نشیب تک وادیاں اور میدان اور گھر اور کھیت نظر آ رہے ہیں سامنے کے کھیتوں میں کسان کا ہل نشیب کو جاتا ہوا یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہل کی لکیریں دھرتی کے سینے کے اندر جا رہی ہوں ہماری گاڑی بلندی پر ہے اور دور دور تک مشرق میں زمین نیچے گرتی چلی جا رہی ہے۔

www.taemeernews.com

دیکھو مونا! آج مشرقی زمین سے آفتاب ایسے نکلے گا جیسے نشیب سے انقلاب ابھرتا ہے۔

چاروں طرف نور ہی نور.... دھیرے دھیرے بڑھ رہا ہے صبح ہو رہی ہے۔ یہ سچ ہے جب تک سورج نہیں نکلتا، زندگی کی سمت واضح نہیں ہوتی۔ لیکن صبح ہونے پر اتنا ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ سورج کہاں سے نکلے گا۔ وہ جگہ بھی سورج نکلنے سے پہلے خون کی طرح سرخ ہوتی ہے پھر خونی شعلے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آخر میں روشنی ہی روشنی باقی رہ جاتی ہے اور سیاہ درختوں میں سے روشنی چھن کر آنے لگتی ہے اور کالی کالی دھرتی سرسبز کھیتوں کا روپ اختیار کرنے لگتی ہے۔ دھواں گھروں سے نکلنے لگتا ہے اور ریل کی کھڑکی پر بارش کی سوئی ہوئی بوندوں میں قوسِ قزح کے رنگ جاگنے لگتے ہیں۔ گھاس پر شبنم چمکنے لگتی ہے۔ اور دور دور تک پرندے اپنے پر پھیلائے ہوئے بادلوں کے دوش پر سورج کے استقبال کو جاتے ہیں۔

مونا! میں نے طے کر لیا ہے کہ میں مروں گا نہیں۔ نہ تمہیں بھولوں گا۔ میں تمہاری بودی اور کمزور محبت کا جواب ایک بہت بڑی اور قوی تر محبت سے دوں گا۔

مونا! میں ٹوٹا نہیں جاؤں گا۔ میں لڑ بن جاؤں گا اور سلاخوں کے پیچھے سے اُس صبح کا انتظار کروں گا جب تم میرے دیس کے لوگوں کے ساتھ پر پھیلائے ہوئے سورج کے استقبال کو جاؤ گی۔

❋

www.taemeernews.com

آلوچے

جگموہن پچیس سال کے بعد پہلگام واپس آیا تھا۔ اِن پچیس سالوں میں دُنیا کتنی بدل گئی تھی۔ وہ خود کتنا بدل گیا تھا۔ پہلے وہ دن میں صرف ایک بار شیو بناتا تھا۔ اب اُسے دو بار شیو کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اپنے کپڑوں کے بارے میں وہ پہلے کتنا بے پروا تھا۔ اُسے یاد ہے پہلی بار جب وہ پہلگام آیا تھا، آج سے پچیس سال پہلے، تو صرف ایک قمیص اور پتلون میں گھوما کرتا تھا۔ اُس کی چوڑی پیشانی اور فراخ سینے کو دیکھ کر عورتیں کیسے شرم سے گردن جھکا لیا کرتی تھیں۔ اب وہ سینہ اندر دھنس چکا تھا۔ وہ گال پچک کر رہ گئے تھے۔ اُس کی پیشانی پر کتنی ہی گہری سلوٹیں نمودار ہو چکی تھیں۔ اُسے اب اپنے چھدرے چھدرے بالوں کی سفیدی کو چھپانے کے لئے خضاب کی ضرورت محسوس

www.taemeernews.com

ہوتی تھی۔ اب وہ صرف قمیص اور پتلون میں نہیں گھوم سکتا تھا۔ کوٹ، پتلون، واسکٹ اور ٹائی لگا کے گھومتا تھا۔ تاکہ کوئی اُس کے متعدد اور متعدی امراض کے شکار جسم کی بدنمائی سے آگاہ نہ ہوسکے پچیس سال پہلے اُس کے جسم سے صحت، جوانی اور تندرستی کی مہک آتی تھی۔ اب اُسے خوشبوؤں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ وہ خود کتنا بوڑھا ہو گیا تھا۔ لیکن یہ پہلگام کتنا جوان تھا۔ اتنا ہی حسین اور خوبرو، جتنا آج سے پچیس سال پہلے اُس نے دیکھا تھا۔

اسی پہلگام کی خوبصورت وادی تھی۔ وہی اس کا سیماب صفت لدر کا دریا تھا۔ اُس کا چمکتا ہوا شفاف پانی جگہ جگہ سے کیسا نیلا تھا۔ جیسے کسی نے اُس میں آسمان گھول دیا ہو۔ جگہ جگہ پر کیسا گہرا سبز ہو جاتا تھا جیسے چیڑ کے جھومروں نے اپنا سارا رس اس میں اتار دیا ہو۔ جگہ جگہ پر کیسے اُس کی لہریں کسی چھوٹے، پیارے، البیلے سے سبز کائی میں ملبوس پتھر کے گرد گھومتی تھیں۔ جیسے گوپیاں کتھک ناچ میں کرشن کے گرد ناچتی ہیں۔ مشرقی پہاڑوں پہ دیودار اور بیاڑ کے اونچے اونچے درخت اپنی آنکھوں میں صدیوں کا وقار لئے سورج کی طرف تک رہے تھے۔ اور اُن کی پھیلی ہوئی سبز باہوں نے جنگل میں چاروں طرف سے روشنی کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ سورج کی کرنیں دُور اُوپر سے آتی تھیں اور اب بیاڑ، دیودار اور چیل کے درختوں کے چھتناروں میں گھر کی عورتوں کی طرح کام کر رہی تھیں۔ ہر پتہ کرن کا گھر تھا۔ روشنی نے سایا بنایا تھا۔ جنگل میں چاروں طرف خاموشی تھی اور چاروں طرف سایہ تھا۔ صرف کہیں کہیں پر گھنے جنگلوں میں جہاں آسمان نظر آتا وہاں سے سورج کی لاکھوں کرنیں درختوں سے بچ کر یوں زمین کی طرف بھاگتیں جیسے روشنی کا آبشار گر رہا ہو۔ آہ! یہ پہلگام کتنا

www.taemeernews.com

خوبصورت ہے۔ سبز سنہری غنودگی میں لپٹا ہوا۔ خواب آگیں۔ ہر لمحہ بنفشہ کے پھولوں کی طرح ہنستا ہوا۔ ہر سانس محبوب کے لمس کی طرح مہکتا ہوا۔ یہ وہی پُرانا چھبیس برس پہلے والا حسین اور دلکش پہلگام ہے۔ ان چھبیس سالوں میں دنیا کتنی بدل گئی ہے۔ وہ خود کتنا بدل گیا ہے لیکن یہ پہلگام نہیں بدلا۔ وہی اس کا حُسن ہے، وہی اس کی دلربائی ہے، وہی اس کی دلکشی اور دلآویزی اور سج ادائی ہے۔ جگ موہن نے سوچا، یہ کتنا اچھا ہے کہ انسان بدل جاتا ہے لیکن پہلگام نہیں بدلتا۔ اپنی خوبصورتی سموئے اُسی طرح قائم و دائم رہتا ہے!

جگ موہن نے اپنے ذہن کے اُفق پر سے پچھلے چھبیس سالوں کی یادوں پہ ایک نگاہ ڈالی اور اس کی نظر کے سامنے پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم کی قبریں اور صلیبیں اُبھرتی چلی آئیں۔ ان قبروں کے پس منظر میں اُس کے کارخانوں کی چمنیاں دھواں اُگل رہی تھیں۔ پہلے کپڑے کی ایک مِل تھی۔ پہلی جنگِ عظیم میں دو ہوئیں، دوسری جنگِ عظیم میں چار ہوئیں۔ کتنی لاکھوں قبروں کے بعد کارخانے کی ایک چمنی بنتی ہے۔ اُسے اپنا یورپ کا سفر یاد آیا۔ پیرس کے قحبہ خانے۔ روم کی گلیوں میں گھومتی ہوئی وہ لاطینی حسینائیں۔ برلن کے اُس ریستوران میں ہر میز پر ایک ٹیلیفون۔ ہر ٹیلیفون کا کنکشن ایک طوائف سے ٹیلیفون کیجئے لڑکی بلا لیجئے۔ جگموہن نے ساری دنیا دیکھی تھی۔ شنگھائی کے کابرے، رایوڈی جنیرو اور بونس آئیرز کے بوننے وادیوں میں ناریل کی طرح لانبی اور مہکتی ہوئی اسپینی گیتوں کی طرح ہیجان افروز عورتیں، عمدہ شراب، خوبصورت رقص اور اوپر ناریل کے پیڑ پر چاند کسی گوری حسینہ کے بالوں میں نیلا کی طرح لٹکا ہوا۔ ہائے یہ دنیا کتنی حسین تھی۔ ان چھبیس سالوں میں

www.taemeernews.com

جگ موہن نے جی بھر کے عیش کئے تھے۔ دل کھول کے اپنا جسم اور اپنا روپیہ خرچ کیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے اُس کا روپیہ گھِسا نہ تھا۔ لیکن اُس کا جسم گھِس گیا تھا۔ اُس نے بڑھتی ہوئی مزدوری اور بڑھتے ہوئے اِنکم ٹیکس کے باوجود ہزار بے ایمانیوں سے اپنے بینک بیلنس کو برقرار رکھا تھا کبھی چھانٹی سے کبھی کٹوتی سے کبھی حساب کتاب کی ہیرا پھیری سے متعدد بے ایمانیوں سے اُس نے اپنے روپے کو گھِسنے نہ دیا تھا لیکن اب اُس کا جسم گھِس چکا تھا۔ اور اب وہ اُسے بھی انجکشنوں سے، ٹانک کی گولیوں سے اور ہزار طرح کی مصنوعی کوششوں سے برقرار رکھنے کی کوشش میں تھا۔ یہ کوششیں بھی اُس کے جسم سے ایک طرح بے ایمانی سے کم نہ تھیں۔ اُسے اِس کا احساس تھا۔ کہ ہر ہیجان آفریں دوا اُس کی طاقت کو بالآخر کم کرتی ہے۔ جیسے مزدوروں سے ہر طرح کی بے ایمانی بالآخر اُس کی طاقت کو ختم کرتی ہے لیکن جب تک وہ جیتا ہے وہ کیوں اپنے روپے سے اور اِس جسم سے جی بھر کے لذّت حاصل نہ کرے۔ مرنے کے بعد جنّت تو صرف غریبوں کو ملتی ہے۔

جگ موہن اُٹھ کھڑا ہوا جس کہنہ دیودار کے تنے سے وہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اُس کا سہارا لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ اُسے نیچے ڈھلوان کی سڑک پر چلتی ہوئی پھلوں کی ٹوکری اُٹھائے ایک کشمیری حسینہ نظر آ رہی تھی۔ اُس نے دُنیا میں ہر طرح کی خوبصورت عورت دیکھی تھی۔ لاطینی کوارٹر میں گویا سپید کوارٹز کے ترشے ہوئے شفاف برفاب سے جسم استنبول کے قہوہ خانوں میں ناچتی ہوئی ترکی حوریں۔ ہر نگاہ سے شمپین چھلکاتی ہوئی صندلیں کھُولوں میں ملبوس نیم عُریاں ہوائین دوشیزائیں۔ اپنے رنگ اور خون میں دو برِاعظموں کی خوبصورتی سمیٹے، سیپ کے موتی کی طرح حسین ....

www.taemeernews.com

طرح طرح کی خوبصورتی اُس نے دیکھی تھی۔ لیکن کشمیری حُسن کا جواب نہیں۔ ایسا حُسن جو کنول کی طرح صبیح اور گلاب کی طرح سُرخ ہو۔ جو چاندنی کی طرح شرمائے اور سُورج کی کرنوں کی طرح مُسکرائے کشمیر کی آنکھیں جو کبھی تو جھیل کی طرح خاموش، پُرسکون اور پُراسرار معلوم ہوں۔ اور کبھی جھرنے کی طرح کھلکھلا کر دل کا سارا راز کہہ دیں کشمیر کا سینہ کبھی تو برف کی طرح ٹھنڈا اور خاموش جیسے معصیت اُسے چھُو تک نہیں گئی اور کبھی یُوں دہکتا ہوا شعلہ سا جیسے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔ اتنے نشیب فراز کو سمیٹنے والا حُسن اُس نے کشمیر کے سوا کہیں نہ دیکھا تھا۔ اِسی لئے تو پہلگام کی کشش اتنے سالوں بعد اُسے پھر کھینچ کے لے آئی تھی۔

پھلوں کی ٹوکری اُٹھائے ہوئے ڈھلوان سڑک پر سے گزرتی ہوئی کشمیری حسینہ کو دیکھ کر اُسے آج سے پچیس سال پہلے کا ایک واقعہ یاد آیا ______

ایک دن وہ پہلگام سے چندن واڑی جانے والی سڑک پر ٹہل رہا تھا۔ ٹہلتا ٹہلتا دُور نکل گیا۔ سہ پہر کی دھُوپ خوشگوار تھی۔ اور جب کبھی چلتے چلتے دھُوپ کی تمازت سے اُس کے گال تمتما اُٹھتے تو ہوا کے برفیلے جھونکے اُس کے گالوں سے مس ہو کے گرمی کو یُوں اُڑا لے جاتے جیسے مصوّر کا بُرش تصویر سے زائد رنگ کو غائب کر دیتا ہے ______ وہ آہستہ آہستہ ایک گیت گنگنانے لگا۔ یکایک یہاں سے اُسے ایک لڑکی نظر آئی، جو پھلوں کی ٹوکری سر پر رکھے پہلگام کی طرف جا رہی تھی۔ لڑکی اُس کے قریب آ کے مُسکرائی۔ وہ بھی مُسکرایا۔ لڑکی نے پھلوں کی ٹوکری جھکائی، وہ بھی جھکا۔

"خوبانیاں میٹھی ہیں؟" اُس نے پُوچھا۔

www.taemeernews.com

"دیکھ لو!"

وہ اُس لڑکی کی گہری آنکھوں میں کھو گیا۔

لڑکی نے ایک خوبانی ٹوکری میں سے اُٹھا کر اُسے دکھاتے ہوئے کہا ـــــ

"بالکل پکی ہوئی اور تیار ہیں۔ اِن کی رنگت، دیکھو سُنہری، بے داغ!"

وہ اُس لڑکی کے ہاتھوں کی گلابی، بے داغ جلد کی نرمی پر غور کرنے لگا۔

"بہت سستی ہیں۔ دو روپے کی ٹوکری ہے۔ ٹوکری لے لو۔"

اُس نے اپنی جیب سے ریشمی رومال نکالا۔ اُسے زمین پر پھیلا دیا۔ اُس میں چُن کر دو درجن کے قریب خوبانیاں رکھیں۔ لڑکی کو آٹھ آنے دیئے۔ لڑکی نے حیرت اور مسرت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا: "یہ ـــــ آٹھ آنے تو بہت زیادہ ہیں ـــــ اور لے لو۔" اُس نے خوبانیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پھر لے لیں گے ..... تم کہاں رہتی ہو؟"

لڑکی نے پیچھے کی طرف اشارہ کر کے کہا ـــــ "سڑک کے اُس موڑ کے اوپر میرا گھر ہے۔ یہ خوبانیاں ہمارے گھر کے پیڑوں کی ہیں۔ ہمارے ہاں خوبانیوں کے چار پیڑ ہیں۔"

"کبھی ہم تمہارے گھر آئیں گے۔ اپنے سامنے پیڑوں پر سے خوبانیاں اُتروا کے کھائیں گے۔"

"آؤ نا!" لڑکی کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

لڑکی ٹوکری اُٹھانے کو تھی کہ جگ موہن نے ہاتھ بڑھا کر ٹوکری اُس کے سر پر رکھ دی۔ دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے مس ہوئے۔ اُس ایک لمحے کے لمس میں صدیوں کی جوانی گنگنا اُٹھی۔ جب سے دُنیا بنی تھی۔ جب سے شعلہ بھڑکا تھا۔

www.taemeernews.com

جب سے دل دھڑکا تھا جب سے آنسو ٹپکا تھا۔ کتنے ہی لاکھوں، کروڑوں برس کی تخلیق اُس ایک لمحے میں آکر تڑپ کے بے قرار ہو گئی۔ جگ موہن کی سانس زور زور سے چلنے لگی لیکن اُس نے بہت ضبط سے کام لیا۔ اور گھوم کر آگے چلا گیا۔ وہ چندن واڑی کی طرف، وہ پہلگام کی طرف۔ اگلے موڑ پر جا کر اُس نے لڑکی کا گھر دیکھ لیا۔ خوبانی کے چار پیڑوں والا گھر۔ گھر کے ایک طرف چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس پر نرگس کے پھولوں کے تختے کے تختے کھلے ہوئے تھے۔ اب وہ یہ گھر کیسے بھول سکتا تھا۔

اِس کے بعد وہ لڑکی اُسے کئی بار ملی۔ کئی بار اُس نے اُس سے خوبانیاں خریدیں لیکن ہر بار وہ اُس سے بہت کم خوبانیاں لیتا تھا۔ اور پیسے زیادہ دیتا تھا۔

ایک بار اُس نے پہلگام کے بازار میں سے ایک خوبصورت کشمیری رُومال خریدا۔ اُس میں کشمش، اخروٹ، بادام رکھے۔ اُن کے اُوپر دس روپے کا نوٹ رکھا اور رُومال کو اچھی طرح سے باندھ کر اُس نے ایک ہاتُو کو اپنے ساتھ لیا۔ اور اُسے سڑک کے موڑ پر خوبانی کے چار پیڑوں والا گھر دکھا کے کہا ——

"وہ لڑکی کسی کام کو جب بھی اِس گھر سے باہر نکلے یہ رُومال اُس کے ہاتھ میں دے دینا۔ پھر وہ جو کچھ تم سے کہے، مجھے آکے بتا دینا۔"

اِس کے بعد جگ موہن اپنے خیمے کو لوٹ گیا اور ہاتُو کا انتظار کرنے لگا۔

بہت دیر کے بعد ہاتُو واپس آیا۔ وہ ریشمی رُومال اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اور اُسی طرح بھرا ہوا تھا۔ جگ موہن کا دل دھک سے رہ گیا۔ ہاتُو دور سے اُسے جھُلاتے ہوئے آ رہا تھا۔ اور وہ گیت گا رہا تھا جس میں جب خزاں آتی ہے تو چنار کے پتے محبوب کے رُخساروں کی طرح شعلہ رُو ہو جاتے ہیں۔

www.taemeernews.com

"کم بخت!" جگ موہن نے اپنے دِل میں جھنجلا کے کہا ـــــ "اُس نے رُومال واپس کر دیا ہے اور یہ سالا گا رہا ہے۔"

ماتُو نے خیمے کے اندر آ کے وہ بھرا ہُوا ریشمی رُومال جگ موہن کے سامنے رکھ دیا۔ جگ موہن کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُس رُومال کی گرہیں کھولنے لگا۔ رُومال کے اندر نہ دس روپے کا نوٹ تھا، نہ اخروٹ تھے، نہ بادام ..... نرگس کے پھُول ہی پھُول تھے ......

ماتُو نے مُسکرا کے کہا ـــــ "صاحب بخشیش!"

خوبانی کے چار پیڑوں والے گھر میں وہ رات کتنی حسین تھی کتنی پیاری، گداز میٹھی اور مہربان تھی۔ اُس رات کے تصوّر ہی سے جگ موہن کے دِل کا کونہ کونہ اِس وقت ایک خمار آلود مسرّت سے لبریز ہو گیا۔ اور وہ تیز تیز قدموں سے نیچے سڑک پر سے گزرتی پھلوں کی ٹوکری اُٹھائے ہوئے عورت کی طرف چلا گیا۔

عورت نے اپنی پھلوں والی ٹوکری جھکائی۔ جگ موہن بھی جھکا۔

ٹوکری میں مصری آلوچے تھے۔

"میٹھے ہیں؟" جگ موہن نے پوچھا

"چکھ کے دیکھ لو!"

"چکھ لوں؟" جگ موہن نے معنی خیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور کشمیری عورت کے رُخسار تازہ سیب سے زیادہ سُرخ ہو گئے۔ اور اُس کے کانوں میں چاندی کی بالیاں جھمک جھمک گئیں۔

www.taemeernews.com

"ہاں!" وہ کمزور آواز میں بولی۔ اُس کے ساتھ سات آٹھ سال کا ایک لڑکا بھی تھا۔ وہ اُسے کہنے لگی ——— "صاحب کو ایک آلوچہ دو۔"

"یہ تمہارا لڑکا ہے؟"

"ہاں!" عورت کا ہاتھ بے اختیار لڑکے کے سر پر گیا۔

"اِس کا نام کیا ہے؟"

"قادر!" وہ بڑے فخر سے بولی۔

قادر جگ موہن کی طرف دیکھ کے بہت بے خوفی سے مُسکرایا۔

جگ موہن نے ایک آلوچہ چکھا۔ پھر اُس نے اپنی جیب سے ایک ریشمی رُومال نکالا۔ اُس میں تھوڑے آلوچے لے لئے۔ ایک روپیہ عورت کو دیا، آٹھ آنے بچے کو۔

"یہ کس لئے؟"

"بچّہ ہے مٹھائی کھائے گا۔"

"ہاں!" قادر نے کہا۔ "مَیں مٹھائی کھاؤں گا۔" اور اُس نے اٹھنی جیب میں ڈال لی۔

سُنہری بالوں کا ایک گچھا اُڑ کر عورت کے رُخسار پر آ رہا۔ اُس نے اپنے بالوں کی لَٹ کو پیچھے گھماتے ہوئے کہا ———

"ذرا یہ ٹوکری اُٹھوا دو صاحب!"

جگ موہن کے ہاتھ اُس عورت کے ہاتھ سے ملے۔ اور جگ موہن کو آج سے پچیس برس پہلے کا خوبانی کے چار پیڑوں والا گھر یاد آیا۔ لیکن اِس یاد کے باوجود اس کی رگوں میں وہ گرمی، وہ گیت، وہ ارتعاش پیدا نہ ہُوا جو آج سے پچیس برس پہلے

www.taemeernews.com

اُس کی رگوں میں جھنجھنایا تھا۔ اُس لمس اور اِس لمس کے بیچ میں سینکڑوں عورتوں کی اُنگلیاں کھڑی تھیں جو اپنے ہاتھوں میں پاؤنڈ، ڈالر، سرا، فرانک اور دینار لیئے غلاموں کی منڈی میں اپنا سب کچھ بیچ رہی تھیں۔ بھاؤ تاؤ کر رہی تھیں۔ اور بھاؤ تاؤ سب کچھ ہونے کے بعد بھاؤ تاؤ ہی رہتا ہے گیت کبھی نہیں بن سکتا۔

جگ موہن نے تاجرانہ انداز میں اُس عورت کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ جانچا، تولا، سوچا۔ یہ کتنے میں بِکے گی؟ پھر وہ دھیرے سے مُسکرایا اور آلوچے کھاتا ہُوا سڑک پر چل دیا۔

وہ دھیرے دھیرے اُس عورت سے دُور لیکن اُس عورت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے چلتا رہا کبھی کبھی وہ عورت بھی گھوم کر دیکھ لیتی کہ وہ اُس کا پیچھا کر رہا ہے لیکن کسی نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔

شام ہوتے ہوتے وہ عورت اپنے مصری آلوچوں کی ٹوکری بیچ کر گھر لوٹ گئی لکڑی کے پُل کے اُس پار گھاٹی پر ایک دلکشا کُنج میں گھرا ہوا لکڑی کے ناتراشیدہ کندوں کا بنا ہوا اُس کا چھوٹا سا گھر تھا۔ جس پر پھولوں کی بیلیں زمین سے اُٹھ کر چھت تک چلی گئی تھیں۔

جگ موہن دیر تک اُن پھولوں کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر لوٹ آیا۔

اُس کے بعد کئی بار جگ موہن کو وہ عورت ملی۔ کئی بار اُس نے اُس سے مصری آلوچے خریدے۔ عورت کو آلوچوں کے دام دیئے۔ قادر کو مٹھائی کے لئے پیسے دیئے۔ قادر جگ موہن سے بہت مانوس ہو گیا تھا۔

ایک دن جگ موہن نے بازار سے ایک خوبصورت کشمیری رومال خریدا۔

www.taemeernews.com

اُس میں کشمش، بادام اور اخروٹ رکھے۔ اُس کے اوپر دس روپے کا نوٹ رکھ دیا۔ اور رومال میں گرہ لگا کر اُسے قادر کے حوالے کر دیا۔ اور اُس سے کہا ـــــ اپنی ماں کو دے دینا اور جو بات وہ کہے وہ مجھے میرے خیمے میں آ کے بتا دینا۔

قادر نے مسکرا کر کہا ـــــ "بہت اچھا!"

سورج لدر کے اُس پار پہاڑوں میں غروب ہو رہا تھا جب قادر واپس اپنے خیمے میں پہنچا۔ اتنے میں جگ موہن نے شیو بنا لی تھی۔ اپنے جسم میں خوشبو لگا لی تھی۔ اپنی بانہہ پر خود ہی، ایک انجکشن لے لیا تھا۔ اور اپنی طرف سے بالکل تیار ہو کے خوش خوش بیٹھا تھا۔

قادر رومال کو جھلاتے ہوئے آ رہا تھا۔ رومال بھرا ہوا تھا۔

جگ موہن کی نگاہوں میں پھول ہی پھول کھلتے گئے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کشمیر کی دلہن اپنی سینکڑوں نرگسی آنکھوں سے شرما کر اُس کی طرف دیکھ رہی ہے قادر نے خیمے کے اندر آ کے بھرا ہوا رومال جگ موہن کے سامنے رکھ دیا۔ جگ موہن نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے رومال کھولا۔

رومال میں کشمش نہ تھی۔ اخروٹ بھی نہیں تھے۔ بادام بھی نہیں تھے۔ ایک پھٹا پرانا گھسا ہوا جوتا تھا جس میں اُس کا دس روپے کا نوٹ رکھا تھا۔ جگ موہن کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے وہ پھٹا ہوا جوتا کھینچ کر اُس کے منہ پر مارا ہو۔ غصے سے اُس کے گال تمتما گئے۔

اُس نے جھنجھلا کے قادر سے پوچھا ـــــ

www.taemeernews.com

"یہ کیا ہے؟"

جواب میں قادر مُسکرایا۔ پھر ذرا سا ہنسا۔ پھر زور سے ہنسا۔ پھر بھاگتا ہوا اور ہنستا ہوا ڈھلوان سے نیچے دوڑتا گیا۔ دُور تک جگ موہن کے کانوں میں اُس کی ہنسی کی آواز آتی رہی ——

نئے کشمیر کی ہنسی ——!!

×

www.taemeernews.com

کتاب کا کفن

کردار

مہتہ جی ——— مہتہ مہتہ اینڈ کمپنی بکسلر اینڈ پبلشر کے پروپرائٹر

تولارام آوارہ ——— ٹائپسٹ

دین دیال تیواری ——— اردو زبان کا افسانہ نگار

آتما رام کھنگر ——— ہندی زبان کا افسانہ نگار

اصغر اثر ٹانڈوی
بیتل چھبن جھانوی ——— دو شاعر

اچلا کماری ——— میونسپل اسکولوں کی ایک انسپکٹرس

کمال الدین ——— ایک پبلشر

ایک امیر لڑکا ——— ایک امیر لڑکی ——— گاہک، چپراسی وغیرہ

www.taemeernews.com

منظر

جب پردہ اُٹھتا ہے تو مہتہ جی کی دوکان کتابوں سے سجی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ دُکان کے اُوپر انگریزی میں ایک بورڈ ہے جس پر جلی حروف میں لکھا ہے "مہتہ مہتہ اینڈ کمپنی بُک سیلرز اینڈ پبلشرز" دُکان کے اندر وسط میں مرکز سے لے کر بائیں ونگ تک لکڑی کا ایک کونٹر ہے جس پر کتابیں بے ترتیبی سے رکھی ہیں۔ مرکز سے دائیں طرف کی ونگ تک دو میزیں رکھی ہیں۔ مرکزی میز مہتہ جی کی ہے۔ اُس پر ٹیلیفون رکھا ہے۔ میز کے پیچھے ایک گھومنے والی کُرسی ہے۔ یہ دوکان کے مالک مہتہ جی کی کُرسی ہے۔ اِس سے ذرا فاصلے پر دُوسری میز ہے جس پر ٹائپ رائٹر رکھا ہے۔ یہ میز دائیں ونگ تک جاتی ہے۔ اِن دونوں میزوں کے پیچھے اور لکڑی کے کونٹر کے پیچھے دیواروں پر تینوں طرف کتابیں چھت تک لکڑی کے ریکوں اور شیشے کی الماریوں میں سجی ہیں۔ کئی جگہ کتابیں کونوں میں بندھی رکھی ہیں۔ بائیں ونگ کی جانب شیشے کی ایک عمدہ الماری ہے۔ اِس میں رنگا رنگ کے قلم دوات، کاغذ، پنسلیں اور سٹیشنری کا مختلف سامان رکھا ہے۔ بائیں ونگ کی طرف سے دوکان کے اندر داخل ہونے والے کو لکڑی کے کونٹر تک جانے کے لئے اِس شیشے کی الماری کے گرد گھوم کر جانا پڑتا ہے۔ پردہ اُٹھتا ہے تو مہتہ جی (بڑے مُونچھوں والے، ادھیڑ عُمر کے، سانولے رنگ کے، فربہ اندام) اپنی کُرسی سے میز پر جھکتے ہوئے ایک چیک پر دستخط کرنے لگتے ہیں۔ دائیں طرف کی میز پر تولارام آوارہ ٹائپسٹ کچھ ٹائپ کر رہا ہے۔ تولارام آوارہ ایک دُبلا پتلا درمیانے قد کا آدمی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی گھسی ہوئی پگڑی باندھے ہوئے ہے۔

www.taemeernews.com

مہتہ جی۔ (چیک پر دستخط کرتے ہوئے) "تولارام!"

تولارام۔ (ٹائپ کرتے ہوئے ہاتھ روک کر) "جی!"

مہتہ۔ "یہ پانچسو روپے کا چیک جگ مہر پرشاد کاغذی کو دے آؤ۔"

تولارام۔ "جی بہت اچھا"۔ (کرسی پر سے اٹھنے لگتا ہے)

مہتہ۔ "دیکھنا وہ بنڈل باندھ لئے جو لکھنو جائیں گے۔"

تولارام۔ "جی۔"

مہتہ۔ "اچھا تو جانے سے پہلے یہ دو خط بھی ٹائپ کر کے رستے میں ڈالتے جاؤ۔"

تولارام۔ "جی۔" (پھر بیٹھ جاتا ہے۔ اور شارٹ ہینڈ پیڈ ہاتھ میں لے کے پنسل سے جلدی جلدی لکھنے لگتا ہے)

مہتہ۔ (خط لکھواتے ہوئے) "مائی ڈیر شرما جی! آپ نے گرام سدھار لائبریریوں کے سلسلے میں پانسو کتابوں کا جو آرڈر بھیجا ہے اس کے لئے میں آپ کا دھنباد کرتا ہوں۔ پچھلے مہینے میری بیوی کشمیر گئی تھی۔ وہ بھابی جی کے لئے پشمینے کا ایک بہت عمدہ شال لائی ہے۔ اسے بذریعہ ہوائی جہاز ڈاک بھیج دیا ہے۔ امید ہے بھابی جی کو یہ شال پسند آئے گا۔ میرے لائق کوئی اور خدمت،

آپ کا مخلص

کرم چند مہتہ

ٹو ــــــ دیاکرشن شرما سیکرٹری گرام سدھار لائبریری

نو پردیش۔ سچیتن"

مہتہ۔ "لکھ لیا؟"

www.taemeernews.com

تولارام۔ "جی۔"

مہتہ۔ "دوسرا لکھو۔ ٹو ــــــ میسرز چمپو بُک ڈپو۔ سبزی منڈی۔ امرتسر

ہمیں بہت افسوس ہے کہ ہم شری دین دیال تیواری جی کی نئی کتاب "اُلٹے بانس بریلی" پر پچیس فی صدی سے زیادہ کمیشن نہیں دے سکتے۔ شری دین دیال تیواری ہندوستان کے عظیم ترین افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ اور ہمیں اُن کی ہر کتاب پر رائلٹی ایڈوانس ہی ادا کرنی پڑتی ہے۔ اِس لئے شری دین دیال تیواری کی کسی کتاب پر پچیس فیصدی سے زیادہ کمیشن نہیں دیا جا سکتا۔

..... کیا لکھا؟"

(یہاں پر تیواری جی اندر آتے ہیں)

تیواری۔ "نمستے مہتہ جی! یہ ہمارا ذکر کس سلسلے میں ہو رہا ہے؟"

مہتہ۔ (چونک کر) "آیئے آیئے تیواری جی۔ دیکھ لیجئے۔ کہاں کہاں ہم آپ کے لئے لڑائی کرتے پھرتے ہیں۔"

تیواری۔ "لڑائی؟ ہمارے لئے؟ وہ کیوں؟"

مہتہ۔ "کسی سرپھرے نے آپ کی کتاب "اُلٹے بانس بریلی" پڑھ کر یہ خط لکھ دیا ہے۔"

تیواری۔ "دکھایئے! (تیواری ہاتھ بڑھاتا ہے۔ مہتہ خط پرے لے جاتا ہے)

مہتہ۔ "کیا دکھاؤں خط کیا ہے، گالیوں کا پلندہ ہے۔"

تیواری۔ "کیوں؟ گالیاں کیوں دے رہے ہیں آپ؟"

مہتہ۔ "بس آپ کی نئی کہانیاں اُنھیں پسند نہیں آئیں۔"

www.taemeernews.com

تیواری: "کیوں جی، کیا میرے دوست کا چچا بھی پسند نہیں آئی ؟"

مہتہ۔ "جی نہیں۔ اُس پر تو سب سے زیادہ گالیاں پڑی ہیں آپ کو۔ وہ لکھتا ہے نہ
اس میں سٹائل ہے نہ زبان، نہ ندرت، نہ فکر، نہ پلاٹ، کہانی کیا ہے،
لایعنی و لاطائل دلائل کا انبار ہے۔ یہ کہانی لکھنے کے بجائے مصنف اگر بھنی ہوئی
مونگ پھلی بیچتا تو بہتر ہوتا۔"

تیواری: "بکواس کرتا ہے۔ دکھاؤ تو یہ خط۔"

مہتہ۔ "جانے دیجئے۔ کیا کریں گے یہ خط پڑھ کے (خط پھاڑتے ہوئے) موڈ خراب
ہو جائے گا۔"

(چند لمحوں کی خاموشی)

مہتہ۔ "تم جاؤ تولارام وہ کاغذی والا کام کرکے آؤ۔ یہ خط بعد میں بھیج دینا۔"

(تولارام جاتا ہے)

(پھر چند لمحوں کی خاموشی دین دیال تیواری خاموش بیٹھا ہے۔ خاموش اور اُداس)

مہتہ۔ "تیواری جی، میں نے اِس گالیاں دینے والے کو وہ منہ توڑ جواب دیا ہے
کہ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔ دیکھئے ہم تو جہاں بھی ہو آپ کا پروپیگنڈہ کرنے سے
نہیں چوکتے۔ مگر....."

تیواری۔ "مگر کیا ؟"

مہتہ۔ "کچھ نہیں۔ کہہ دوں گا تو آپ خفا ہو جائیں گے۔"

تیواری: "نہیں نہیں کہئے۔"

مہتہ۔ "بات دراصل یہ ہے کہ آپ کا سٹائل واقعی کمزور ہو رہا ہے پہلے والی بات

www.taemeernews.com

اب نہیں رہی۔ وہ حُسنِ بیان، وہ خوبصورتی، وہ ادائے دلکش و دلپذیر کیا ہوئی ؟"

تیواری۔ (افسردہ ہوکر) "بس بس مہتہ جی زیادہ مت کہیئے۔ مجھے خود اس کا کچھ کچھ احساس ہوتا جا رہا ہے۔ دراصل جن دنوں میں نے یہ کتاب "اُلٹے بانس بریلی" لکھی تھی، میری بیوی سخت بیمار تھی۔ اور میں بہت سخت مالی مشکلات میں۔"

مہتہ۔ "مگر کتنی بھی مالی مشکلات کیوں نہ ہوں تیواری جی، آرٹ پر اُن کا اثر نہیں پڑنا چاہیئے زندگی قلیل ہے مگر آرٹ طویل ہے۔ زندگی غیر ابدی ہے مگر آرٹ لازوال ہے۔"

تیواری۔ "جی ہاں، وہ تو صحیح ہے مگر مہتہ جی میں اس وقت آپ سے ...."

مہتہ۔ (بات کاٹ کر) "مالی مشکلات کتنی بھی کیوں نہ ہوں۔ اُن کا آدمی کے کام پر بُرا اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ مجھے دیکھئے بال بال قرض میں بندھا ہے۔ ایک ایک پیسے کو ترس رہا ہوں۔ باپ دادا کی جتنی کمائی تھی کتابوں میں جھونک دی۔ آپ لوگوں کی کتابیں چھاپیں اور اُنہیں الماریوں میں سجا دیا۔"

تیواری۔ "جی ہاں وہ تو صحیح ہے مگر مہتہ جی میں اس وقت آپ سے ایک ضرورت...."

مہتہ۔ (بات کاٹ کر) ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ جانے کس مسخرے نے کتابوں کی ضرورت کو ایجاد کیا۔ میں اس وقت اگر مچھلی بیچنے کا بیوپار کرتا تو مزے میں رہتا۔ اسّی ہزار کی کتابیں اس وقت اس دوکان میں پڑی ہیں۔ مگر پڑے پڑے ان کو دیمک چاٹ جائے گی۔ اور کوئی گاہک نہیں آئے گا۔ جانتے ہیں "اُلٹے بانس بریلی" کی اب تک کتنی جلدیں بکی ہیں ؟"

www.taemeernews.com

تیواری۔ (انکار میں سر ہلاتا ہے)

مہتہ۔ "پانچ!"

تیواری۔ (حیرت سے) "صرف پانچ!"

مہتہ۔ "جی ہاں صرف پانچ۔ چھ مہینوں میں صرف پانچ جلدیں بکی ہیں۔"

گپتا جی۔ (اندر آتے ہوئے) "اُلٹے بانس بریلی کی بیس جلدیں جلدی سے باندھ دیجئے مہتہ جی۔"

مہتہ۔ (گھبرا کر اور چونکتا ہو کر گپتا جی کی طرف دیکھنے لگتا ہے اور کھسیانی ہنسی ہنس کر کہتا ہے) آیئے آیئے، گپتا جی بیٹھئے۔"

گپتا۔ "نہیں، میں اس وقت نہیں بیٹھوں گا۔ گاہک دوکان پر کھڑا ہے۔"

(مہتہ اُٹھ کر ریک سے کتابیں نکال کر کونٹر پر رکھتا ہے)

گپتا۔ "کتاب کیسی جا رہی ہے؟"

مہتہ۔ "اچھی جا رہی ہے۔ اگلے ماہ نیا ایڈیشن چھاپ رہا ہوں۔"

گپتا۔ "مزے ہیں تمہارے مہتہ جی!"

(گپتا چلا جاتا ہے۔ مہتہ جاتے جاتے اُس سے کہتا ہے)

مہتہ۔ "آپ کی عنایت ہے...... (تیواری سے) دیکھ لیا۔ آپ کی عزت رکھنے کے لئے ہمیں کیا کیا جھوٹ بولنا پڑتا ہے (طنزیہ ہنسی سے) کتاب کا نیا ایڈیشن چھاپ رہا ہوں —— یہاں یہ حال ہے کہ چھ مہینوں میں یہ پہلا آرڈر آرہا ہے بیس کتابوں کا۔ وہ بھی کسی دوسرے کا۔ ہمیں کیا بچا؟ چالیس فیصدی کمیشن تو یہ کمبخت گپتا لے گیا۔ پینتیس فیصدی کتاب کی لاگت کھا گئی۔

www.taemeernews.com

باقی کتنے بچے پچیس فیصدی۔ اِس میں سے پندرہ فی صدی رائلٹی تم لے گئے باقی بچے دس۔ اب دس کا حساب کرو۔ اِس میں ڈاک کا خرچ ہے ملازموں کی تنخواہ ہے۔ دوکان کا کرایہ ہے اور گودام کی انشورنس ہے۔ بنئے کا سود ہے۔ یہ سب لے دے کے میرے لئے اِس میں کیا بچتا ہے ؟ بنگین ؟

تیواری۔ "تو آپ یہ کام ہی کیوں کرتے ہیں ؟"

مہتہ۔ "اجی کون کمبخت یہ کام کرنا چاہتا ہے۔ مجھے اِس اسّی ہزار کے مال کے کوئی آج چالیس ہزار دے تو مَیں اِسی دم کھڑا کھڑا دوکان سے باہر ہو جاؤں۔ کیا سمجھتے ہیں آپ تیواری جی۔ یہ باہر جو میری موٹر کھڑی ہے کیا وہ اِن کتابوں کی کمائی ہے ؟ ہا ہا ہا۔ اجی صاحب دن بھر ادب کی خدمت کرتا ہوں۔ شام کو دوکان بند کرکے انشورنس کرتا ہوں۔ اُس سے اپنے گھر کا خرچ اور اپنی گاڑی کا پیٹرول چلاتا ہوں۔ مہتہ مہتہ اینڈ کمپنی بس نام ہی نام ہے۔ اندر سے مت پوچھئے کیا حال ہے ؟"

(رُک کر) "ہاں آپ کیا کہہ رہے تھے ؟"

تیواری۔ (فوراً گھبرا کر) مَیں آپ سے کہنے آیا تھا کہ مجھے اِس وقت ایک دس ...."

(آتمارام کھنگر داخل ہوتا ہے)

مہتہ۔ (فوراً رُخ بدل کر) "آیئے۔ آیئے۔ تشریف لایئے (تیواری سے) بھئی آپ سے ملئے۔ آپ ہیں شری آتمارام کھنگر۔ ہندی کے سب سے بڑے افسانہ نگار اور (تیواری کی طرف اشارہ کرکے) شری دین دیال تیواری۔ اُردو کے سب سے بڑے افسانہ نگار۔"

www.taemeernews.com

شری دین دیال تیواری۔ "آپ کو کون نہیں جانتا"

(ایک ساتھ)

شری آتمارام کھنگر۔ "آپ کو کون نہیں جانتا"

(دونوں ہاتھ ملا کر آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک چپراسی آتا ہے مہتہ خط کی رسید دیتا ہے۔ تولارام آوارہ آکر میز پر بیٹھ جاتا ہے۔ خاموشی سے ٹائپ کرنے لگتا ہے)

(خاموشی کا وقفہ)

شری دین دیال تیواری۔ "آج کل آپ کیا لکھ رہے ہیں؟"

(ایک ساتھ)

شری آتمارام کھنگر۔ "آج کل آپ کیا لکھ رہے ہیں؟"

کھنگر۔ "میں ابھی آسام ہو کے آیا ہوں۔ ناگا قوم پر ایک ناول لکھ رہا ہوں"

تیواری۔ "میری کتاب "الٹے بانس بریلی" دوسرے ایڈیشن میں جارہی ہے۔ اس کا جاپانی، روسی، فارسی اور گجراتی میں ترجمہ ہو چکا ہے"

کھنگر۔ "میری کتاب "دیدی کے دریپ" بھی انگریزی، پرتگالی، آئس لینڈک اور چیک ....."

مہتہ۔ (چونک کر) "چیک! چیک؟ کون سے چیک کی بات کر رہے ہیں کھنگر جی! آپ اپنی کتاب "دیدی کے دریپ" کی ساری رائلٹی لے چکے ہیں! اب میرے پاس آپ کے لئے کوئی چیک نہیں ہے"

کھنگر۔ (ہنس کر) "مہتہ جی! میں آپ کے بنک کے چیک کی بات نہیں کر رہا۔ میں

www.taemeernews.com

تو چیک زبان کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوں جس میں میری کتاب کا ترجمہ ہو
چکا ہے۔"

مہتہ۔ (اطمینان سے) "اوہ۔ تو ٹھیک ہے۔"

(اتنے میں بیدل اور اصغر دو نوجوان شاعر بوسیدہ اچکنیں پہنے، لانبے بال بکھرائے، دائیں ونگ سے داخل ہو کر ایک دوسرے کو خاموشی سے 'پہلے آپ' کا اشارہ کرنے لگتے ہیں۔)

[دو شاعروں کو داخل ہوتے دیکھ کر مہتہ
خوشی سے چلا کر کہتا ہے]

مہتہ۔ (کرسی سے اٹھ کر) "ارے آج تو بڑے بڑے لوگ آرہے ہیں۔ آیئے۔ آیئے۔ تشریف لائیے۔ اصغر صاحب، بیدل صاحب —— اندر تشریف لائیے نا۔"

اصغر۔ (جھک کر) "آداب عرض کرتا ہوں۔"

بیدل۔ (اصغر سے زیادہ جھک کر) "آداب عرض کرتا ہوں۔"

مہتہ۔ (کرسی پیش کرتے ہوئے) "یہاں تشریف رکھئے۔ آپ کے لئے چائے منگاؤں۔ تولا رام چائے کی ایک ٹرے کا آرڈر دے کے آؤ جلدی سے۔"

(تولا رام دائیں ونگ سے جاتا ہے اور اس کے جانے کے فوراً بعد بائیں ونگ سے مس اچلا کماری سکول انسپکٹرس ایک باوردی چپراسی کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔ مہتہ ایک کرسی سے اچھل کر بہت تیزی سے ونگ کی جانب بڑھ کے سکول انسپکٹرس کا استقبال کرتا ہے۔)

مہتہ۔ "آیئے آیئے۔ ارے آپ خود کیسے تشریف لے آئیں؟ میں تو یہ دونوں ہنڈل

www.taemeernews.com

آپ کے گھر بھیجنے والا تھا۔ بالکل تیار کر کے رکھے تھے۔ یہ لیجئے (ایک
بنڈل اُٹھا کے کونٹر پر رکھتا ہے) یہ کتابیں ہیں۔ یہ کاپیوں کا بنڈل ہے"۔

(چپراسی بنڈل اُٹھاتا ہے)

مہتہ۔ "آپ نے خواہ مخواہ آنے کی تکلیف کی۔ میں تو بھیج رہا تھا مگر وہ میرا اسٹا
اسسٹنٹ ایک ماہ کی چھٹی لے کر چلا گیا ہے"۔

(تولارام اندر آکے خاموشی سے اپنی میز پر کام کرنے لگتا ہے)

اچلا کماری۔ "نہیں میں تو اِدھر سے گزر رہی تھی۔ سوچا آپ سے ملتی جاؤں (گہری نظر
سے مہتہ کی طرف دیکھ کر) وہ ——— میں نے کہہ دیا تھا اُن سے....
وہ ——— ہو جائے گا" (مسکرا کر سر ہلاتی ہے)

مہتہ۔ "بڑا کرم کیا آپ نے (چپراسی سے) بھئی یہ بنڈل بھی لے لو"۔

اچلا۔ "اس میں کیا ہے؟"

مہتہ۔ "جی، پچھلے ماہ میری بیوی کشمیر گئی تھی۔ آپ کے لئے پشمینے کا شال لائی ہے۔
مجھ سے کہنے لگی میں تو یہ بہن جی کے لئے لائی ہوں۔ میں خود اُن کے پاس لے
کے جاؤں گی۔ آج دوپہر میں وہ خود آنے والی تھیں یہ شال لے کر"۔

اچلا۔ "بہت بہت دھنیہ باد۔ آج تو میں مل نہیں سکوں گی سماسنے پر جانا ہے"

مہتہ۔ "کوئی بات نہیں۔ وہ ٹیلیفون کر کے آپ سے وقت لے لیں گی"۔

(اچلا کماری ادیبوں کی طرف دیکھتی ہے۔ مہتہ فوراً کہتا ہے)

مہتہ۔ (ادیبوں کی طرف اشارہ کر کے) "آئیے۔ آپ کو اپنے دیش کے کچھ مہان لکھکوں
سے ملائیں۔ دیکھئے آپ ہیں اردو کے سب سے بڑے افسانہ نگار ستشری

www.taemeernews.com

دین دیال تیواری۔ اور آپ ہندی کے سب سے بڑے افسانہ نگار شری آتمارام کھنگر۔ اور آپ جناب بیدل اُڑمڑٹانڈوی۔۔۔۔"

اچلا "کیا؟"

بیدل۔ "خاکسار کو بیدل اُڑمڑٹانڈوی کہتے ہیں۔ میں اُڑمڑ ٹانڈے کا رہنے والا ہوں۔ ہمارے ہاں تخلص کے بعد شاعر لوگ اپنی سکونت کا پتہ بتلاتے ہیں۔ جیسے ولی دکنی، غالب دہلوی۔ اور (جھک کر) خاکسار بیدل اُڑمڑٹانڈوی۔۔۔"

اچلا۔ "اوہ!"

مہتہ۔ "اور آپ جناب بیدل اُڑمڑٹانڈوی ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر اور آپ جناب اصغر جھن جھن جھانوی پاکستان کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔"

(جناب اصغر جھن جھن جھانوی خاموشی سے آداب عرض کرنے کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں)

اچلا۔ (تولارام کی طرف دیکھ کے) "اور آپ؟"

تولارام۔ "خاکسار ہندوستان، پاکستان اور افغانستان کا سب سے بڑا ٹائپسٹ ہے۔"

مہتہ۔ (کھسیانی ہنسی ہنس کر) "جی۔ آپ تو دکان پر کام کرتے ہیں مگر ادیب نہیں ہیں۔۔۔۔ (پھر پلٹ کر فوراً ہی) "آپ ہیں مس اچلا کماری ہمارے شہر کی میونسپل مدارس کی انسپکٹرس۔"

تیواری۔ "نمستے!"

کھنگر۔ "نمستے!"

www.taemeernews.com

بیدل اُڑنٹر ماندوی۔ "آداب عرض کرتا ہوں۔"

اصغر چھن چھن جھانوی۔ "آداب عرض کرتا ہوں۔"

(اسی دوران میں چائے والا ٹرے لا کے میز پر رکھ کے چلا جاتا ہے)

ہستہ۔ "چائے لیجئے۔"

اچلا۔ (گھڑی دیکھ کر) "مجھے جانا ہے۔"

بیدل۔ "ارے ایک منٹ تو بیٹھئے نا صاحب!"

اچلا۔ "مجھے (دیوان اور ایکو گھڑوں) سے مل کے بہت خوشی ہوتی ہے"

تیواری۔ "ہمیں بھی بہت خوشی ہوتی ہے خصوصاً میونسپل سکولوں کی انسپکٹریوں سے مل کر....."

اچلا۔ "کیوں یہ میونسپل سکول کی انسپکٹریوں کی کیا خصوصیت ہے؟"

تیواری۔ "دیکھئے نا میرا مطلب ہے میونسپل سکولوں میں بچے تعلیم پاتے ہیں اور بچے قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اس لئے جب آپ ایسی ہستیاں معلّم اخلاق بنیں تو...."

بیدل۔ (بات کاٹ کر) "جی ہاں بجا فرمایا آپ نے۔ در اصل زندگی میں اخلاق کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ دیکھئے اسی اہمیت کو میں نے اپنے تازہ کلام میں یُوں ظاہر کیا ہے۔"

(جیب سے ایک پُرزہ نکال کے پڑھنے لگتا ہے)

بیدل۔ "عرض کیا ہے!"

(اچلا اپنی کرسی پر بے چین ہوتی ہے۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتی، بیدل گلا صاف کر کے فوراً پڑھنے لگتے ہیں۔)

www.taemeernews.com

بتیل اُڑمُڑ نانڈوی

اخلاق

. . . .

(بتیل اُڑمُڑ نانڈوی کے کلام کے دوران میں بہت جی چاہے بنا کر باری باری پیش کرتے جاتے ہیں۔ بتیل اُڑمُڑ نانڈوی اپنا کلام سُنا کر اور داد وصول کر کے وہ کاغذ کا پُرزہ اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر اچلا کماری کے سامنے بڑھاتا ہے)

بتیل اُڑمُڑ نانڈوی۔ "آپ کی نذر ہے۔"

اچلا۔ (کاغذ کا پُرزہ لے کر) "شکریہ!"

(کاغذ کا پُرزہ پرس میں ڈال کر اُٹھنا چاہتی ہے کہ اصغر بول اُٹھتے ہیں)

اصغر حسن حجازی۔ "یہ تو صحیح ہے کہ زندگی میں اخلاق کی بے حد ضرورت ہے۔"

بتیل۔ "بے حد"

اصغر۔ "مگر صرف حُسنِ اخلاق سے کام نہیں چل سکتا"

مہتہ۔ "نہیں چل سکتا۔"

اصغر۔ "اس کے لئے حُسنِ نظر بھی چاہیے۔"

کھنگر۔ "چاہیے"

اصغر۔ "اور حُسنِ نظر کے لئے یہ ضروری ہے کہ زندگی محبت سے عبارت ہو چنانچہ اسی خیال کو میں نے اپنے چند ناقص اشعار میں یوں ادا کیا ہے۔"

(جیب سے ایک پھٹا پُرزہ نکال کر فوراً پڑھنے لگتا ہے۔ اچلا کماری بہت

www.taemeernews.com

بے چین دکھائی دیتی ہے۔ بیتاب، تیواری اور ڈھنگ بھی پریشان نظر آتے ہیں لیکن کچھ کر نہیں سکتے کیونکہ اصغر جھن جھن جھانوی نے پڑھنا شروع کر دیا ہے

غزل۔ بہ عنوانِ محبت

. . . .

(اصغر جھن جھن جھانوی اپنا کلام ختم کر کے اُس بوسیدہ پرزے کو لپیٹ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر اچلا کماری کے سامنے بڑھاتے ہیں۔)

اصغر: "آپ کی نذر ہے"

اچلا کماری: "شکریہ!"

(پرزہ پرس میں رکھتی ہے۔ اتنے میں شری آتما رام کھنگر اچلا کماری کا ہاتھ پکڑ کے کہتے ہیں)

کھنگر: "جناب اصغر جھن جھن جھانوی اور جناب بیتاب اڑمڑ ٹانڈوی نے جو فرمایا ہے وہ اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے۔ صحیح ہے اور مناسب ہے مگر میں نے ان دونوں حضرات کے خیالات کو ایک ہی افسانے میں سمو کر پیش کر دیا ہے (جیب سے ایک کتابچہ نکالتے ہوئے) یہ ایک چھوٹی سی ہینسیٹھ صفحے کی کہانی ہے اس کا عنوان ہے "شتر مرغ کے انڈے"

اچلا: "مگر ...."

کھنگر: "شتر مرغ کے اپنے پر پھڑپھڑائے"

اچلا: "جی"

کھنگر: "اور پیچھے ریت میں گاڑ دیئے پھر اپنی لمبی تھوتھنی ...."

www.taemeernews.com

اچلا۔ (بالکل بے چین ہو کر) "دیکھئے ——— !"

کھنگر "جس کے باریک رونئیں پر گھاس کے دو تنکے اُلجھے ہوئے تھے"

اصغر۔ "واہ واہ کیا جذبات نگاری سے کام لیا ہے۔"

کھنگر۔ "اور ان دو تنکوں کے درمیان شبنم کا ایک قطرہ صبح کے تارے کی طرح لرز رہا تھا۔۔۔"

سیدل۔ "شاعری ہے صاحب شاعری!"

کھنگر۔ "شتر مرغ نے اپنی لمبی تھوتھنی شتر مرغی کی طرف بڑھا کر چونچ کھول کر قیں قیں کرتے ہوئے۔۔۔۔"

اچلا۔ (یکایک بہت بے چین ہو کر کرسی سے اٹھ جاتی ہے) "معاف فرمایئے مجھے دیر ہو رہی ہے۔ بہت سے اسکولوں میں معائنے کے لئے جانا ہے پھر کبھی سن لوں گی۔"

کھنگر۔ "محترمہ یہ افسانہ تو لیتی جایئے۔ مہتہ جی ذرا اپنا قلم دیجئے گا۔"

(کھنگر مہتہ جی سے قلم لے کے اپنی کتاب پر دستخط کرنے لگتا ہے۔ اُسے دستخط کرتے دیکھ کر تیواری بھی کرسی سے اٹھ کر کونے میں پڑی ہوئی اپنی کتاب "اُلٹے بانس بریلی" اٹھا کر لاتا ہے اور جیب میں پڑے ہوئے قلم سے دستخط کرنے لگتا ہے۔ اتنے میں کھنگر جو دستخط کر چکا ہے۔ کتاب اچلا کماری کی نذر کرتا ہے اچلا جانے کے لئے مڑتی ہے کہ اُس کا سامنا تیواری سے ہوتا ہے جو اپنی کتاب آگے بڑھائے ہوئے ہے)

تیواری۔ "یہ بھی لیتی جایئے!" (کتاب پیش کرتا ہے)

www.taemeernews.com

اچلا۔ "یہ کیا ہے، اُلٹے بانس بریلی!"

تیواری۔ "یہ میری تین طویل مختصر کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ پہلی کہانی کا عنوان ہے "اُلٹے" دُوسری کا "بانس" تیسری "بریلی" تینوں کہانیاں ملا کر ایک مشہور ضرب المثل بن جاتی ہے۔"

اچلا۔ "اُلٹے بانس بریلی! بہت خوب۔ شکریہ! تیواری جی ایک دن میں مہتہ جی کو ٹیلیفون کر کے آپ سب کو چائے پر بُلواؤں گی۔ نمستے!"

(اچلا کماری جلدی سے چلی جاتی ہے۔ مہتہ بائیں ونگ تک اُس کے ساتھ پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ جب واپس آتا ہے تو اصغر اور بتیل دونوں اپنی اپنی کرسیوں سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جیب سے چند لفافے نکال کر کہتے ہیں)

اصغر۔ "مہتہ جی آپ ہمارے مشاعرے پر ضرور تشریف لائیے گا (سب کو کارڈ بانٹتے ہیں) حاجی ملک دین کی صدارت میں یہ مشاعرہ ہے۔"

مہتہ۔ "کون حاجی ملک دین؟"

"وہی جی۔ انجمن ریڑھی فروشان کے صدر۔ جن کا گھوڑا پچھلی ریس میں اوّل آیا ہے۔ اسی خوشی میں حاجی جی نے یہ مشاعرہ کیا ہے۔ دو ایک عمدہ قصیدے گھوڑے کی شان میں کہے جائیں گے۔ باقی غزلیں ہوں گی۔ جناب مرغزار قرولباغوی اور جناب نشتر نئی دہلوی بھی تشریف لا رہے ہیں ضرور آئیے گا۔"

مہتہ۔ "ضرور آئیں گے صاحب!"

بتیل۔ "ضرور!"

www.taemeernews.com

اصغر۔ "آداب عرض ہے"
بتیل۔ "آداب عرض ہے"

(دونوں شاعر چلے جاتے ہیں۔ چند لمحوں کے لئے دکان میں سناٹا ہو جاتا ہے دونوں افسانہ نگار آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ مہتہ جی بظاہر دونوں سے بے نیاز کونٹر پہ کچھ کتابیں گن کر بنڈل باندھ رہے ہیں)

تیواری۔ (آہستہ سے کھنگر کے قریب جھک کر) "آپ کو ان سے کچھ کہنا ہو تو بات کر لیجئے"

کھنگر۔ "نہیں پہلے آپ بات کر لیجئے"
تیواری۔ "میری بات تو ذرا لمبی ہو گی"
کھنگر۔ "تو میں پھر آجاؤں گا۔ کل ول کسی وقت"
(کھنگر اٹھ کے جانے لگتا ہے)

مہتہ۔ "جا رہے ہیں"
کھنگر۔ "جی"
مہتہ۔ "کوئی خاص بات تھی؟"
کھنگر۔ "جی نہیں۔ یونہی درشنوں کو چلا آیا تھا"
مہتہ۔ "نمستے"
کھنگر۔ "نمستے"

(کھنگر چلا جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد تیواری مہتہ سے بات کرنے کے

www.taemeernews.com

لئے کونٹر کی طرف جاتا ہے لیکن مہتہ کتابیں اٹھائے کونٹر سے تولارام کی طرف چلا جاتا ہے۔ تیواری پھر کونٹر سے واپس تولارام کی میز کی طرف آتا ہے)

مہتہ (تولارام سے) "یہ کتابیں نیشنل بک ایجنسی انہیں جائیں گی!"

(اتنا کہہ کر تیواری کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر مہتہ پھر کونٹر کی طرف جاتا ہے اور دوسرا بنڈل اٹھاتا ہے۔ تیواری پھر تولارام کی میز سے کونٹر کی طرف بڑھتا ہے لیکن اتنے میں مہتہ دوسرا بنڈل اٹھائے ہوئے پھر کونٹر سے تولارام کی میز کی طرف چلا آتا ہے۔ تیواری پھر کونٹر سے تولارام کی میز کی طرف بڑھتا ہے)

مہتہ۔ (تولارام سے) "یہ بمبئی کتاب گھر کو وی۔ پی کر دو....."

(پھر کونٹر کی جانب مڑتا ہے۔ اب کے تیواری جلدی سے کونٹر پر اس کے کوٹ کی آستین پکڑ لیتا ہے اور اس کی طرف بہت ہی ملتجیانہ انداز سے دیکھ کر کہتا ہے)

تیواری "مہتہ جی! میری بیوی بہت سخت بیمار ہے۔ مجھے دس روپے چاہئیں"

مہتہ۔ "دس روپے؟ (طنزیہ ہنسی ہنس کر) یہاں دس پیسے نہیں ہیں۔ دس چھوٹی کوڑیاں نہیں ہیں"

تیواری "وہ بہت سخت بیمار ہے"

مہتہ۔ "کتابیں بکتی نہیں ہیں۔ پڑھا لکھا امیر طبقہ انگریزی کتابیں پڑھتا ہے۔ اپنے ملک کی زبان کی کتابیں نہیں خریدتا۔ جو غریب پڑھے لکھے ہیں ان کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ پھر آپ کا سٹائل پہلے سے بہت گندہ ہو گیا ہے"

www.taemeernews.com

تیواری۔ "میری بیوی بھی بہت کمزور ہو گئی ہے"

مہتہ۔ "آپ کے قلم میں وہ طاقت وہ قوت نہیں رہی"

تیواری۔ "اسے دودھ چاہئے، وٹامن اور مقوی غذا . . . . "

مہتہ۔ "وہ خوبصورت رنگینی کیا ہوئی۔ لوگ آپ کے نئے افسانوں میں اپنے پُرانے تیواری کو پہچان نہیں سکتے"

تیواری۔ "کسی نے اُس کے رخساروں کا سارا رنگ چوس لیا ہے۔ مہتہ جی آپ اپنی بھابی کو دیکھیں تو پہچان نہ سکیں گے"

(کاؤنٹر سے بنڈل اُٹھا کر مہتہ پھر واپس تولا رام کی طرف جاتا ہے۔ اب کے تیواری افسردہ اور مایوس وہیں کاؤنٹر پر کھڑا رہتا ہے۔ مہتہ تولا رام سے کان میں کچھ کہہ کر پھر واپس آتا ہے اور کاؤنٹر پر پھر بنڈل باندھنے لگتا ہے)

مہتہ۔ "آپ کوئی اور کام کیوں نہیں کرتے؟ ہندوستان میں ادیب صرف ادب سے اپنی روٹی نہیں کما سکتا"

تیواری۔ "آپ کپڑا بننے والے سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ ساتھ میں سنار کا کام بھی کرے۔ سنار سے یہ کیوں توقع نہیں رکھتے کہ وہ ڈاکٹری بھی کرے۔ ڈاکٹر سے یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ سبزی بھی بیچے۔ سبزی بیچنے والے سے اسکول کی انسپکٹری کرنے کو کیوں نہیں کہتے۔ اسکول کے انسپکٹر کو گھاس کاٹنے کے لئے کیوں نہیں کہتے۔ گھاس کاٹنے والے کو کیوں آل انڈیا کرکٹ ٹیم کا کپتان نہیں بنا دیتے؟ اس ہندوستان میں ہر پیشہ ور کو اُس کے پیشے سے روٹی ملتی ہے۔ صرف ادیب کو اُس کے ادب سے روٹی نہیں مل سکتی"

مہتہ۔ "آپ تو خفا ہو گئے؟"

تیواری۔ "نہیں میں خفا نہیں ہوں۔ بتائیے میں کیا کام کروں۔ میں کام کرنے کیلئے آمادہ ہوں۔ آپ کا ملازم منشی لال جو اس دفتر میں کتابیں بیچتا تھا ایک ماہ سے چھٹی پر ہے۔ بتائیے کیا آپ مجھے اس کی جگہ دینے پر آمادہ ہیں؟ صرف ایک ماہ کے لئے۔ میری بیوی بیمار ہے۔ مجھے اس کے لئے دوا چاہئے، دودھ چاہئے، وٹامن چاہئے۔ میری بچی کے پینے کے لئے ایک کمبل چاہئے۔ بولیے آپ [illegible] ہیں آپ یہ کام دیں گے مجھے....؟"

مہتہ۔ "اگر آپ یہ کام کریں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر اتنا بڑا ادیب۔۔۔"

تیواری۔ "اتنا بڑا ادیب بھی پیٹ رکھتا ہے۔ ٹانگیں اور بانہیں، آنکھ اور کان، دل اور دماغ رکھتا ہے۔ خواہشیں اور آرزوئیں رکھتا ہے۔ اس کا جسم بھی سردی سے کانپتا ہے، وہ گرمی سے پسینے میں شرابور ہوتا ہے۔ اس دنیا میں ایک حقیر سے حقیر کیڑے کو بھی خوراک چاہئے۔ پھر آپ ایک ادیب سے یہ کیسے توقع کرتے ہیں کہ وہ ہوا پر زندہ رہ سکتا۔ کاش ادیب ایک دیمک ہوتا اور اپنی کتابوں کو چاٹ سکتا تو مجھے آپ کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہ پڑتے۔"

مہتہ۔ "کاغذ بھی کاغذ کی قیمت لیتا ہے۔ آپ بھی اپنی رائلٹی مجھ سے لے چکے۔ آپ ہم پبلشروں کی تکلیفوں کو نہیں جانتے۔ اس ملک میں کاغذ سے لے کے کھاد کے کارخانے تک کو SUBSIDIZE کرنے والے موجود ہیں لیکن علم اور فن کو SUBSIDIZE کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مگر آپئے

www.taemeernews.com

آپ کونٹر کے اُدھر کھڑے کیوں رہیں۔ یہاں آکر کام کیجئے اور دیکھ لیجئے کہ ہیں علم و فن کی تجارت میں کیا ہے۔ اوّل تو صبح سے کوئی گاہک ہی نہیں آیا۔"

(تیواری کے کونٹر پر جاتے ہی ایک دُبلا پتلا سا آدمی دوکان کے اندر داخل ہو کے کونٹر کے قریب آتا ہے۔)

تیواری: "فرمائیے؟"

گاہک۔ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) ایک کتاب خریدنا ہے

تیواری۔ (لہجے میں بشاشت لاکر سیلز مین کا سا انداز پیدا کرتے ہوئے اور کتابیں ریک سے نکال کر دکھاتے ہوئے) "فرمائیے کیا خریدیے گا۔ دیکھئے یہ پریم چند کا گئودان ہے۔ یہ غالب کا دیوان ہے۔ یہ ٹیگور کی گیتانجلی ہے۔ یہ..."

گاہک۔ (آہستہ سے) "آپ کے پاس اصلی کشمیری کوک شاستر ہے؟"

تیواری۔ "جی ——— (ایک طویل خاموشی وقفہ۔ مہتہ اس طویل خاموشی کے مزے لے رہا ہے) جی اصلی کشمیری ..... وہ تو عرصہ ہوا سرکار ضبط کر چکی..."

(گاہک جانے کے لئے مُڑتا ہے۔ مہتہ کونٹر پر آتا ہے۔)

مہتہ۔ "وہ تو ضبط ہو چکا مگر میرے پاس ایک اُس سے بھی عُمدہ چیز ہے (دکھاتا ہے) یہ چین رنگین تصویروں والی ہے۔ تنہائی میں دیکھنے کی چیز ہے۔ صرف خاص خاص گاہکوں کو بیچتا ہوں۔ قیمت پندرہ روپے سے کم نہیں ہوگی۔"

(گاہک تھوڑی دیر کتاب کی تصویریں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اُس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ پھر وہ جیب سے پندرہ روپے نکال کر دے دیتا ہے اور چلا جاتا ہے)

www.taemeernews.com

مہتہ۔ (تیواری کی طرف دیکھ کے) "اونہہ! اُلٹے بانس بریلی!"

(پھر واپس اپنی میز کی طرف چلتا ہے)

(اِتنے میں ایک اور گاہک اندر آجاتا ہے

اُس کے پیچھے ایک اور گاہک آتا ہے)

گاہک نمبر ۲۔ "نیلی چھتری ہے؟"

تیواری۔ "یہ چھتریوں کی دوکان نہیں ہے۔"

گاہک نمبر ۳۔ "جاسوسی گھوڑا ہے؟"

تیواری۔ "ہم گھوڑے نہیں بیچتے۔"

مہتہ۔ (فوراً اپنی کرسی سے اُچھل کر کونٹر کی طرف آتے ہوئے) "ہے صاحب ہے۔ نیلی چھتری ہے اور جاسوسی گھوڑا بھی ہے۔ معاف کیجئے گا۔ یہ سیلزمین میں نے نیا نیا رکھا ہے۔ آج ہی۔ ابھی اِسے فہرست کُتب سے آگاہی نہیں ہوئی۔ اِس لئے.... معاف کیجئے گا.... یہ لیجئے گا.... چار روپے سات آنے کمیشن کاٹ کے.... یہ دو روپے پانچ آنے کمیشن کاٹ کے.... دونوں کتابیں حاضر ہیں۔ (گاہک نمبر ۲ سے) یہ رہی نیلی چھتری.... اور.... (گاہک نمبر ۳ کو پیش کرتے ہوئے).... یہ جاسوسی گھوڑا...."

گاہک نمبر ۳۔ "شکریہ! مگر آپ کا سیلزمین ہے بہت بدتمیز۔"

(تیواری کچھ کہنے کے لئے مُنہ کھولتا ہے کہ مہتہ جلدی سے اُس کے زور کی چٹکی لے کے آنکھ مارتا ہے۔ تیواری غصّے میں ہے لیکن چُپ ہو جاتا ہے)

گاہک نمبر ۲۔ "اگر یہ اِسی طرح بکتا رہے گا، ہم تو کبھی اِس دوکان پر نہیں آئیں گے۔"

www.taemeernews.com

مہتہ۔ "میں آپ سے ہزار بار معافی چاہتا ہوں آئندہ اس سے ایسی غلطی نہ ہوگی"
(دونوں گاہک چلے جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد ہی تیواری بھڑک اُٹھتا ہے)

تیواری۔ "جاہل، اَن پڑھ، بے ادب خود ہیں۔ اچھے اور بُرے ادب میں تمیز نہیں کرتے اور ہمیں تمیز سکھلانے چلے ہیں۔"

مہتہ۔ "گاہک ہمیشہ سچ کہتا ہے۔ درست کہتا ہے اور صحیح کہتا ہے۔ دوکان دار کا گاہک خدا ہے۔ اگر یہ خدا نہ ہو تو دوکان دار بھوکا مرجائے۔ اس اصول کو تیواری جی ہمیشہ یاد رکھو۔ اگر کتابیں بیچنی ہیں۔ تو گاہک کی مرضی پر چلو۔ اس کی نگاہ پہچانو۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ اور وہی دو جو وہ چاہتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنی زبان شیریں ہوگی تو گاہک شہد کی مکھی کی طرح اُڑتا ہوا آئے گا۔ تلخ کلامی سے گاہک کبھی دوبارہ دوکان پر نہیں آتا۔ اور پھر تم کون ہو اُن کی پسند ناپسند کا فیصلہ کرنے والے۔ اگر گاہک جاسوسی ناول اور مار دھاڑ کی کہانیاں پڑھنا چاہتا ہے تو تم اپنی سماجی نصیحتوں سے بھری ہوئی کتابیں اُن پر کیسے ٹھونس سکتے ہو؟"

تیواری۔ "ہم انہیں یہ تو بتا سکتے ہیں کہ کون سی کتاب اچھی ہے کون سی بُری"

مہتہ۔ "میری دوکان کی ہر کتاب اچھی ہے۔ اور گاہک جو کتاب مانگتا ہے وہ اچھی ہی کتاب مانگتا ہے۔ اگر آپ کو کام کرنا ہو تو اس اصول پر چلئے مجھے کتابیں بیچ کر نفع کمانا ہے۔ کوئی سماج سدھار کا کام نہیں کرنا ہے۔"

تیواری (شرمندہ ہوکر) "آئندہ خیال رکھوں گا۔"

(مہتہ تھوڑی دیر تک غصے سے تیواری کی طرف دیکھ کر واپس اپنی میز پہ چلا

www.taemeernews.com

جاتا ہے۔ اتنے میں ایک نہایت خوبصورت خوش لباس لڑکی اندر آتی ہے
اور کونٹر پر آکر کھڑی ہو جاتی ہے)

خوبصورت لڑکی:"منشی پریم چند کا غبن ہے؟"

تیواری:"جی، یہ لیجئے۔"

خوبصورت لڑکی:"مرزا رسوا کی امراؤ جان ادا؟"

تیواری:"یہ حاضر ہے۔"

خوبصورت لڑکی:"بس ایک ناول اور چاہیے۔ کوئی اچھا سا ناول بتائیے۔ اچھا ٹھہریئے
—— وہ —— دین دیال تیواری کا کوئی نیا ناول ہے؟"

تیواری:"دو ہیں.... (ریک سے کتابیں اٹھاکر) ایک تو یہ ہے 'دل کی فریاد'، دوسرا
یہ ہے 'الٹے بانس بریلی'۔"

خوبصورت لڑکی:"دونوں میں کون سا اچھا ہے؟"

تیواری:"میرے خیال میں تو 'دل کی فریاد' اچھا ہے۔ اس میں زبان اور موضوع میں
ہم آہنگی ہے۔ کرداروں کا ارتقا سماجی ماحول سے الگ نہیں ہے۔ اور
جذبات کی مصوری میں ایک مخصوص توازن ....."

مہتہ۔ (فوراً کونٹر پر آکر) اجی خاک توازن نہیں ہے۔ دونوں کتابوں کا مقابلہ کیا
'الٹے بانس بریلی' مصنف کی بہترین کتاب ہے۔ یہ دل کی فریاد تو سچ مچ
ہماری دوکان پر فریاد بن کر رہ گئی ہے۔ آٹھ مہینے سے پڑی ہے۔ کوئی کتاب
اٹھاتا ہی نہیں۔ دو گاہکوں کو بہت مشکل سے گھیر گھار کے دی تھی۔ دونوں آدھی
کتاب پڑھ کے واپس دے گئے ہیں۔ آپ تو ہماری دوکان کی پرانی گاہک ہیں۔

www.taemeernews.com

میں آپ کو دھوکا نہیں دوں گا۔ آپ کو اگر تیواری جی کی بہترین کتاب خریدنا ہے
تو اُلٹے بانس بریلی خرید لیجئے۔ اب تک چھ سو کاپیاں فروخت کر چکا ہوں۔
جو لوگ ایک دفعہ خریدتے ہیں اپنے دوستوں کو خریدوانے کے لئے ساتھ
لاتے ہیں۔ یہ دل کی فریاد' تو معاف کیجئے کا محض بکواس ہے مصنف نے
بالکل ٹالنے کے لئے لکھ دی ہے "؟

خوبصورت لڑکی۔" اچھا تو ایک جلد اُلٹے بانس بریلی کی دے دیجئے۔ اور یہ دل کی
فریاد واپس رکھ لیجئے "

مہتہ۔" بہت اچھا "

(جلدی سے رسید کاٹ کر کتاب دیتا ہے۔ خوبصورت لڑکی خراماں خراماں
چلی جاتی ہے۔ اُس کے جانے کے بعد ہی تیواری بہت غصے سے مہتہ کی
طرف مڑ کے کہتا ہے)

تیواری" میری زندگی بھر کے شاہکار کو آپ نے بکواس کہہ دیا۔ آپ اچھی طرح جانتے
ہیں کہ اُلٹے بانس بریلی میری کمزور ترین کتاب ہے اور ابھی آپ نے ——
ابھی آپ نے خود میرے آتے ہی مجھ سے یہی کہا تھا۔ اب آپ اتنی جلدی بدل
گئے۔ اور میری سب سے اچھی کتاب کو یوں سب سے بُری کہہ دیا اور وہ بھی
میرے سامنے۔ آپ کو شرم نہیں آتی ؟"

مہتہ۔" اس میں شرم کی کیا بات ہے ؟ یہ تو سیدھی سادی بزنس کی بات ہے۔ دل کی
فریاد اور اُلٹے بانس بریلی' دونوں ایک ہی مصنف کی کتابیں ہیں "

تیواری" لیکن آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دل کی فریاد میری بہترین کتاب ہے "

www.taemeernews.com

مہتہ۔ "جانتا ہوں۔"

تیواری۔ "پھر آپ نے اُس ــــ اُس کے سامنے اِسے بُرا کیوں کہا؟"

مہتہ۔ "بزنس میں کہنا ہی پڑتا ہے بھائی ــ دیکھو، یہ کتاب تمہاری 'دِل کی فریاد' نیشنل بُک کلب نے چھاپی ہے۔ 'اُلٹے بانس بریلی' میں نے چھاپی ہے۔ میں تو اپنی کتاب کی تعریف کروں گا ہی۔ کیونکہ یہ میرے ہاں چھپی ہے۔ یہ بِکے گی تو مجھے زیادہ منافع ملے گا۔ دوکاندار کا منافع بھی میرے گھر آئے گا۔"

تیواری۔ "منافع ہی سب کچھ ہے، ادب کا معیار کچھ نہیں؟ میرا نام؟"

مہتہ۔ "مجھے نام سے نہیں دام سے کام ہے۔ دیکھئے تیواری جی! آپ کو اگر کام کرنا ہے تو سیدھے طریقے سے کیجئے۔ یہاں تو ایسا ہی ہوگا۔ یہ دیکھئے ناکام چڑیا کوٹی کا ناول 'ایکٹرس کی آپ بیتی' ایک غلیظ گندی کتاب ہے۔ آپ کے ناول 'دِل کی فریاد' اور اِس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کی کتاب ادب ہے، وہ غلاظت ہے۔ یہ سماج کا نشتر ہے تو وہ اُس کا ناسُور ہے۔ لیکن دل کی فریاد نیشنل بُک کلب نے چھاپی ہے اور 'ایکٹرس کی آپ بیتی' میں نے چھاپی ہے۔ اِس لئے گاہک اگر ان کے بارے میں میری پسند پوچھے گا تو میں تو اپنے ہاں کی چھپی ہوئی کتاب کی تعریف کروں گا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ایک غلط بات کہہ رہا ہوں میں پھر بھی اِسی کی تعریف کروں گا۔"

تیواری۔ "یہ کھلی بے ایمانی ہے۔"

مہتہ۔ "نہیں یہ بزنس ہے۔"

تیواری۔ "میں ــــ میں یہ کام نہیں کرسکتا۔ آپ کسی دوسرے کو یہ کام سونپ

www.taemeernews.com

دیجیے۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔"

مہتہ۔ "آپ کی مرضی ....."

(تیواری کونٹر کے باہر آجاتا ہے اور دائیں ونگ کی طرف چلنے لگتا ہے۔ یکایک اسی ونگ کی جانب سے ایک میلے کچیلے لباس میں ملبوس عورت ایک ننھے سے بچے کا ہاتھ پکڑے بھیک مانگتے ہوئے دوکان کے سامنے سے گزرتی ہے)

عورت۔ "بابا ایک پیسہ۔"

بچہ۔ "خدا کے نام پر ایک پیسہ"

عورت۔ "بابا ایک پیسہ۔"

بچہ۔ "خدا کے نام پر ایک پیسہ۔"

(بھیک مانگتے ہوئے عورت اور بچہ دونوں بائیں سے دائیں ونگ میں غائب ہو جاتے ہیں۔ تیواری وہیں خاموش کھڑا ہے۔ فضا میں کچھ دیکھ رہا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ وہ آہستہ سے واپس ہوتا ہے اور کونٹر کے اندر آجاتا ہے)

مہتہ۔ "کیا ہوا؟ ارادہ بدل دیا؟"

تیواری (آبدیدہ ہوکر) "میں نے اپنی بیوی کو دیکھا۔ میں نے اپنے بچے کو دیکھا وہ دونوں ہاتھ پھیلائے مجھ سے بھیک مانگ رہے تھے۔ بابا ایک پیسہ خدا کی راہ میں ایک پیسہ....." (مہتہ پیٹھ موڑ کر کتابیں ریک میں ٹھیک کرنے لگتا ہے)

(راستے میں ایک چھوٹی داڑھی والا دُبلے بدن کا آدمی تنگ اچکن اور تنگ پاجامہ

www.taemeernews.com

پہنے ہوئے داخل ہوتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں کتابوں کا ایک بہت بڑا

بنڈل ہے)

مہتہ۔ "آؤ آؤ کمال بھائی۔ یہ کیا اُٹھائے اُٹھائے پھر رہے ہو؟"

کمال الدین۔ "تمہارے لیے لایا ہوں۔ 'دستِ صبا' کی تیس کاپیاں ہیں"

مہتہ۔ "مگر 'دستِ صبا' تو یہاں ایک پبلیشر نے چھاپی ہے"

کمال۔ "میں نے بھی چھاپ لی ہے"

مہتہ۔ "مگر کیسے؟ مصنف کی اجازت سے؟"

کمال۔ "فیض تو پاکستان جیل میں ہے۔ اُن کی اجازت کیا ضروری ہے؟"

مہتہ۔ "مگر بھائی!"

کمال۔ "تم بات کرو نا تمہیں یہ کتابیں لینی ہیں کہ نہیں۔ تمہیں 'دستِ صبا' پر

پچیس فیصدی کمیشن ملتا ہے۔ میں تمہیں پچاس فیصدی کمیشن دیتا ہوں"

تیواری۔ "آپ ایک غریب مصنف کی رائلٹی مار رہے ہیں اور وہ مصنف بھی

جیل میں ہے"

کمال۔ "جیل سے باہر بھی ہوتا تو میرا کیا کر لیتا؟ یہاں کتنے ہی پبلشر ہیں جنہوں نے

بہت سے ایسے پاکستانی مصنفوں کی کتابیں چھاپ ڈالی ہیں جو جیل سے

باہر ہیں بلکہ کبھی جیل نہیں گئے۔ اسی طرح وہاں کے ناشروں نے یہاں کے

مصنفوں کی کتابیں بلا اجازت چھاپ ڈالی ہیں۔ دونوں ملکوں میں کتابوں

کی خرید و فروخت کے سلسلے میں کوئی آسانی نہیں ہے۔ اسلئے کون پوچھے گا؟"

تیواری۔ "جب دو ملک لڑتے ہیں تو کتابیں پہلے قتل ہوتی ہیں۔ بے گناہوں کے خون

www.taemeernews.com

میں مصنفوں کی محنت کا خون بھی شامل ہوتا ہے ....."

کمال۔ "اس درجہ جذباتی بننے کی ضرورت نہیں ہے تیواری جی! کہئے تو میں آپ کی کتاب 'اُلٹے بانس بریلی' بھی یہاں چھاپ ڈالوں۔ اور آپ کے بہتیرے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جالندھر کے کسی انٹ سنٹ پریس میں چھپواؤں گا امرتسر کی کسی غلط سلط بک ایجنسی کا نام دے دوں گا۔ کتابیں میرے پاس نہیں ہوں گی۔ پھر بھی میں بیچوں گا۔ جیسے یہ 'دستِ صبا' بیچ رہا ہوں آپ ڈھائی میں دیں گے میں پونے دو میں بیچوں گا۔ آپ کی 'دستِ صبا' دھری رہے گی۔ میری 'دستِ صبا' بک جائے گی۔ حالانکہ وہی فیض کی شاعری ہے، وہی اس کا حسن ہے، وہی اس کا سوز و گداز ہے۔ وہی لہجے کا لوچ ہے۔"

تیواری۔ (ایک تلخ ہنسی ہنس کر) "ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے۔"

کمال الدین۔ "کیا کریں آج کل چاروں طرف مندہ ہے۔ شرافت سے کوئی بزنس ہی نہیں ہوتا۔"

مہتہ۔ (آہ بھر کر) "سچ کہتے ہو کمال الدین ..... اچھا تیس کاپیاں رکھ جاؤ اور تیس کاپیاں اور دے جاؤ۔ مگر کمیشن ساٹھ فیصدی لوں گا۔"

کمال الدین۔ "لے لو۔ یہاں کونسا باوا کے گھر سے مال جاتا ہے۔"

(کتابیں رکھ کے کمال الدین دوکان سے رخصت ہوتا ہے۔ اُس کے جاتے ہی ایک گورا چٹّا نوجوان اور اُس کے ساتھ ایک سلیکس پہنے ہوئے طرحدار لڑکی داخل ہوتی ہے۔ نوجوان نے شوخ رنگوں والا بش کوٹ پہن رکھا ہے۔

www.taemeernews.com

اور جس کپڑے کا اس نے بُش کوٹ پہن رکھا ہے لڑکی نے اسی کپڑے اور ڈیزائن کے سلیکس پہن رکھے ہیں جس کپڑے کا لڑکی نے بُش شرٹ پہن رکھا ہے اسی کپڑے اور رنگ اور ڈیزائن کی لڑکے نے پتلون پہن رکھی ہے۔ پہلی نظر میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا آدھی لڑکی ہے اور لڑکی آدھا لڑکا ہے)

نوجوان: "ایک رائٹنگ پیڈ دے دیجیے۔ ایک لفافوں کا پیکیٹ اور ایک تاش:"

(تیواری سامان دکھا کے لفافے میں بند کرتا ہے)

لڑکی۔ "ٹھہریئے۔ ڈارلنگ نینی تال تک جاتے جاتے میں تو سخت بور ہو جاؤں گی"

نوجوان: "پھر؟"

لڑکی۔ "کچھ ناول کیوں نہ لے لیں؟"

نوجوان: "گڈ آئیڈیا۔ آپ کے پاس کچھ اچھے ہنسنے ہنسانے والے ناول ہیں؟"

تیواری۔ (ریک سے بہت سے ناول نکال کر سامنے کونٹر پر بکھیر دیتا ہے)

"پسند فرمایئے!"

نوجوان۔ (کتابیں اٹھا اٹھا کے ٹائٹل پڑھتا ہے۔" ناکام آرزو"۔ سونے کا محل' سماج کا پنجرا'۔' ننھے غلام'۔' زہر' —— ہونہہ' ایک ایک کر کے کتابیں پلٹ کے رکھ دیتا ہے) سب بکواس ..... (ایک کتاب اٹھا کر) محبت کیسے کی جاتی ہے؟ ..... یہ کتاب اچھی معلوم ہوتی ہے:"

"نغمے کی موت' 'دستِ صبا'۔' خالی ڈبے'۔' خالی بوتلیں'۔' نئی بیماری'۔' گرہن' کیسی کتابیں ہیں یہ ڈارلنگ! اِن کے نام تک سے مایوسی ٹپکتی ہے۔ یہ کیا ہے' گناہ کی پانچ راتیں'... اِس میں کچھ ہوگا (الگ کر لیتا ہے) یہ دِل

www.taemeernews.com

کی دھڑکن، نام تو کچھ نہیں مگر ٹائٹل اچھا ہے (الگ رکھ لیتا ہے) یہ کیا ہے
'جھیل کے کنارے' ... نینی تال جا رہے ہیں ... یہ ٹائٹل اچھا رہے گا۔
(الگ رکھ لیتا ہے) 'مقالات افلاطون'۔ 'ہمارا دوسرا پانچ سالہ پلان'۔ 'قومی
زندگی'۔ تھو! (سب پرے دھکیل دیتا ہے) ڈارلنگ! تم نے کونسی
کتابیں پسند کی ہیں؟"

لڑکی۔ "میں نے یہ دو چُنی ہیں: 'دل کی فریاد' از دین دیال تیواری۔ اور یہ 'ایکٹرس
کی آپ بیتی' از ناکام چڑیا کوٹی۔ ... لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا ان دونوں
میں سے کون سی کتاب لوں ...."

نوجوان۔ "میرے خیال میں تو ایکٹرس کی آپ بیتی مزیدار ہونی چاہیے۔"

لڑکی۔ "لیکن میں نے دین دیال تیواری کی ایک کتاب بہت عرصہ ہوا پڑھی تھی۔
'صبح کا تارا' وہ تو مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوئی تھی۔ کیوں صاحب آپ
کے خیال میں ان دونوں میں سے کون سی کتاب اچھی ہے؟"

تیواری۔ "آ۔آ۔ دونوں اچھی ہیں۔ دونوں لے جائیے۔ (مہتہ اُس کی طرف گہری
نظروں سے دیکھ رہا ہے)

لڑکی۔ "دونوں نہیں۔ میں تو ایک لوں گی۔ بتائیے تو ذرا۔ آپ کے گاہک کیسے
زیادہ پسند کرتے ہیں؟"

تیواری۔ "اپنی اپنی پسند ہے۔" (تیواری مہتہ کی طرف دیکھ کے پھر لڑکی کی طرف
دیکھنے لگتا ہے)

لڑکی۔ "پھر بھی؟"

www.taemeernews.com

(تیواری مہتہ کی طرف دیکھتا ہے اور پھر بولنے لگتا ہے)

تیواری۔ "آپ۔ آپ یہ ایکٹرس کی آپ بیتی لے جائیے (تیواری کے ہونٹ کانپنے لگتے ہیں) یہ دل کی فریاد نہ لے جائیے۔ یہ کتاب بالکل بکواس ہے۔ اس میں کوئی دم نہیں ہے، اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس میں کوئی رنگ نہیں ہے۔ اس کا ٹائٹل تو دیکھئے۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی سیاہی۔ بیچ میں ایک چھوٹے سے روشنی کے ہالے میں کانٹوں کے جھاڑ۔ مسٹر آپ لوگ خوبصورت اور حسین ہیں اور نوجوان اور امیر ہیں۔ اور رنینی تال جارہے ہیں۔ آپ اس کتاب کے اندھیرے میں نہ جائیے۔ اس کے کانٹوں سے نہ اُلجھئے۔ اس ویرانے میں چھالے ہی چھالے ہیں۔"

(ایک لڑکا یہاں آکے مہتہ جی کے کان میں کچھ کہنے لگتا ہے۔ تیواری اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا)

لڑکی۔ "مگر اس کا مصنف دین دیال تیواری تو ایک بہت ہی اچھا۔۔۔"

تیواری۔ "اجی اس کا مصنف نہایت ہی لُچا، نالائق، اُلو کا پٹھا ہے۔ بالکل جاہل، بے وقوف، احمق انسان ہے۔ اُسے لکھنے کی تمیز نہیں۔ بات کرنے کی تمیز نہیں، زندہ رہنے کی تمیز نہیں۔ کیونکہ وہ منافع کی قدر نہیں کرتا۔ جاسوسی گھوڑے نہیں دوڑاتا معصوم دلوں کو قتل و غارت گری کے افسانے سُنا کر اُنہیں ڈکیتی اور چوری کی طرف مائل نہیں کرسکتا۔ ایسا پھیکا سیٹھا، کچا، باسی بدمزہ لٹریچر پڑھ کر آپ کو ابکائی آجائے گی۔"

مہتہ۔ "مسٹر دین دیال!۔۔۔۔"

www.taemeernews.com

تیواری۔ "آپ دل کی فریاد کبھی نہ خریدیئے۔ آپ ایکٹرس کی آپ بیتی بالتصویر لے جائیے، اس میں آپ کو جذبات خیز و نشاط انگیز خوبصورت الفاظ ملیں گے جو کام الفاظ نہیں کر سکتے وہ کام یہ تصویریں پورا کر دیں گی۔ آپ اس کے ساتھ یہ محبت کرنے کے ایک ہزار ایک طریقے بھی لے جائیے۔ دل کی فریاد میں آپ کو محبت کرنے کا ایک طریقہ ملے گا۔ ایک ہی راستہ۔ ایک ہی سفر، ایک ہی منزل جس میں آدمی سب کچھ دے دیتا ہے اور اپنے لئے کچھ باقی نہیں رکھتا۔"

(مہتہ یہاں پر لڑکے سے الگ ہو کے جھجکتے جھجکتے آگے بڑھ کے تیواری سے مخاطب ہوتا ہے)

مہتہ۔ "مسٹر دین دیال تیواری! آپ کی بیوی مر گئی۔ آپ کے گھر سے آدمی بلانے کے لئے آیا ہے۔"

(چند لمحوں کا سناٹا۔ دین دیال تیواری پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا ہے)

تیواری۔ "وہ مر گئی!"

(وقفہ)

"وہ مر گئی!"

(وقفہ)

"اچھا ہے وہ مر گئی۔"

(وقفہ)

"آج میں بھی تو مر گیا ہوں۔"

(وقفہ)

www.taemeernews.com

تیواری۔ "آج میرے دل کی فریاد مرگئی اور میری صبح کا تارا ڈوب گیا۔ آج سے میں بھی نیلی پیلی چھتریاں لکھوں گا۔ اور جاسوسی گھوڑے دوڑاؤں گا۔ میری ہر کتاب میں دس قتل ہوں گے۔ اور بارہ ڈکیتیاں۔ آج کے بعد میرے ناولوں میں قمار خانے ہنسیں گے۔ عورتیں روئیں گی اور بچوں کی آنتیں نکال لی جائیں گی۔ اور میں اُن کا خون اپنے چہرے پر مَل کر منافع کے دربار میں جاؤں گا اور سونے کے دیوتا کے سامنے اپنا ماتھا ٹیک دُوں گا۔"

(تیواری ریک سے کتابیں نکال کر جلدی جلدی کونٹر پر ڈھیر لگاتا ہے)

مہتہ۔ "یہ کیا کر رہے ہو تیواری جی؟"

تیواری۔ "مہتہ جی! یہ میری کتابیں ہیں۔ یہ مجھے روٹی نہیں دے سکتیں لیکن میری بیوی کا کفن تو بن سکتی ہیں۔ دیکھئے (کونٹر کی طرف اشارہ کر کے) یہ میری بیوی کی ارتھی ہے۔ اُوپر صبح کا تارا ہے۔ نیچے دل کی فریاد ہے۔ بیچ میں میری بیوی کی ارتھی ہے۔ .... اب میں اس کفن کو آگ لگا دُوں گا۔"

(تیواری کتابوں کو آگ لگا دیتا ہے۔ مہتہ بھاگ کے اُسے پکڑتا ہے۔ نوجوان لڑکا اور لڑکی دکان سے باہر بھاگتے ہیں)

مہتہ۔ "تیواری جی۔ تیواری جی آپ کیا کر رہے ہیں؟"

تیواری۔ (شعلوں کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا کر پاگلوں کے انداز میں) "کتابیں جل رہی ہیں۔ امیر لوگ نینی تال جا رہے ہیں۔ ہا ہا!"

(پردہ)

✖

www.taemeernews.com

سایہ

بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ ابھی دنیا نئی نئی بنی تھی۔ اُن دنوں میں آدمی کا سایہ بھی روشن اور چمکدار ہوتا تھا۔ اور روشنی کے ایک مدھم ہالے کی طرح اُس کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اُنہی دنوں میں ایک سایہ اپنے آدمی سے جھگڑ پڑا۔ اور بہت غصے میں بولا۔

" دیکھو جی! تمھاری یہ باتیں مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔ تم مجھ سے بالکل نوکروں بلکہ غلاموں کا سا سلوک کرتے ہو۔ خود کرسی پر بیٹھتے ہو اور مجھے اپنے قدموں میں بٹھاتے ہو خود کھانے کی میز پہ بیٹھتے ہو اور مجھے پیچھے دیوار پر کھڑا کر دیتے ہو۔ پھر جہاں جاتے ہو اپنے ساتھ مجھے لیے پھرتے ہو۔ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی لیتے ہو۔ اور وہ بھی ہر وقت قدموں سے لگے لگے۔ مجھے تمھارے ساتھ آگے یا پیچھے۔ دائیں یا بائیں چلنا پڑتا ہے۔ جیسے میں کوئی تمھارا زرخرید غلام ہوں یا باڈی گارڈ ہوں۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟ خود تو کھا کھا کے اتنے موٹے ہو رہے ہو۔ اور میں نے جب تمھاری

www.taemeernews.com

غلامی اختیار کی ہے آج تک ایک انچ کیا، ایک انچ کا ہزارواں حصّہ بھی کھال موٹی نہیں ہوئی ہے کہیں سے بھی چٹکی بھر کے دیکھ لو۔میں باز آیا تمھاری اس نوکری سے۔ جس میں کبھی تو مجھے اپنے آپ کو ربڑ کی طرح کھینچ کے لمبا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی سکڑ کے، کان لپیٹ کے چوہے کی طرح تمھارے قدموں میں گھس جانا پڑتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو؟ میری کوئی تم سے الگ ہستی ہی نہیں ہے۔ میں تمھیں دکھا دوں گا۔ بس آج کے بعد میں تمھارے ساتھ نہیں رہوں گا۔ بہت ہو گیا میں جاتا ہوں۔"

آدمی کو بھی سائے کی یہ تلخ باتیں سن کے بڑا تاؤ آیا غصّے میں گرج کے بولا۔ جاؤ جاؤ کسے رعب دکھاتے ہو؟ میں تمھاری باتوں میں آ کے تمھاری تنخواہ میں ایک روپیہ بڑھانے والا نہیں ہوں۔ نہ ڈیوٹی کم کرنے والا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ تم میرے ساتھ نہیں ہو گے تو کیا میرا کام نہیں چلے گا؟ میں تم سے پوچھتا ہوں تم میرا کام ہی کون سا کرتے ہو؟ کھانا پکاتے ہو کہ جھاڑو دیتے ہو کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے ہو۔ کہ جوتے پر پالش کرتے ہو۔ بس ہر وقت پھوہڑ بیوی کی طرح شوہر کے قدموں سے لگے لگے میرے ساتھ گھومتے ہو۔ میں تو خود عاجز آ گیا تم سے۔ تمھیں کل جانا ہے نا؟ ابھی جاؤ۔ ابھی چلے جاؤ۔" آدمی نے گرج کے کہا۔

"ہاں ہاں ابھی جاتا ہوں۔ مجھے اب خود تمھارا ساتھ دینا منظور نہیں ہے۔" سائے نے اتنا کہا اور آدمی کے قدموں سے اٹھ کر گھر سے باہر چلا گیا۔

گھر سے باہر میدان میں ایک بھینس گھاس چر رہی تھی۔ بھینس کے سائے نے جو آدمی کے سائے کو اکیلے دیکھا تو پہلے تو چکرا گیا۔ پھر اپنی حیرت کو ذرا چھپا کے بولا۔ "ہیں! تم یہاں اکیلے گھوم رہے ہو؟" سائے نے قہقہہ مار کے کہا۔

"ارے یار کچھ نہ پوچھو۔ آج سے میں آزاد ہوں۔ اپنا مالک آپ ہوں۔ آج سے میں نے آدمی کی نوکری چھوڑ دی ہے۔"

www.taemeernews.com

"کیوں ؟"

"ارے بھائی یہ چوبیس گھنٹے کی خدمت کون کرے ۔ اُدھر سے اُن کا ہنسی مذاق برداشت کرے ۔ پھر جب دیکھو ہمیشہ پاؤں میں روندے رہتے ہیں میں تو چلا آیا۔"

"یار تم ٹھیک کہتے ہو۔" بھینس کے سائے نے سر ہلا کے کہا "یہ میری بھینس بھی مجھے ہمیشہ دلدل میں اور کیچڑ میں لت پت کر دیتی ہے میرے سارے جسم پر مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں کبھی کوّے بھی آکے ٹھونگیں مار جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ اتنی کاہل ہے کہ کبھی اپنی دُم سے مکھیاں نہیں ہٹائے گی۔ نہ کبھی کسی کو کچھ کہے گی۔ اِدھر دیکھو، سارا بدن کوّے کی ٹھونگوں سے لہولہان ہو رہا ہے۔"

"ہاں واقعی" آدمی کے سائے نے بھینس کے سائے کی طرف دیکھ کر چ چ کرتے ہوئے بڑے رحم سے کہا۔

بھینس کے سائے نے بھینس کی طرف بہت نفرت سے دیکھ کر چلا کے کہا۔

"بی بھینس! میرا استعفےٰ لے لو میں بھی چلا۔"

لیکن بھینس نے سُنا بھی نہیں۔ بڑے مزے سے میٹھی جگالی کرتی رہی۔

"ایک تو میں اِس جگالی سے تنگ آگیا جب دیکھو بیٹھے ہوئے جگالی کر رہے ہیں میرے تو جبڑے بھی دُکھنے لگے۔" بھینس کے سائے نے آدمی کے سائے کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم تو ابھی تک جبڑے چلا رہے ہو۔"

"اوہ!" بھینس کے سائے نے ہنس کے کہا۔ "پرانی عادت ہے لیکن اب چھوٹ جائے گی۔"

اِس کے بعد اُس نے اپنے جبڑے بند کر لئے اور آدمی کے سائے کے ساتھ گھاس کے میدان پھدکتا ہوا آگے چلا گیا۔ اگر وہ بھینس کے ساتھ ہوتا تو کبھی اِس تیزی سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔ آج وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ خوشی کے مارے وہ گھاس پر لوٹنے لگا۔ اِتنے میں

www.taemeernews.com

ایک چھوٹا سا سایہ اُس کے قریب سے اُچھل کر پرے ہٹ گیا بھینس کے سائے نے پلٹ کے دیکھا یہ ایک چھوٹی سی گلہری تھی۔ گلہری کے سائے نے بہت حیرت سے بھینس کے سائے کی طرف دیکھا۔ لیکن اُسے کہیں بھینس نظر نہیں آئی۔ پھر اُس نے آدمی کے سائے کی طرف خوف زدہ ہو کے دیکھا۔ اُسے کہیں کوئی آدمی بھی نظر نہ آیا۔ بہت ہی حیران ہوا۔ ماجرا کیا ہے؟

بھینس کے سائے نے ہنس کے کہا۔

"ہم نے فیصلہ کر لیا ہے، آج سے ہم کوئی کام نہ کریں گے۔ آزاد رہیں گے۔ جہاں ہمارا جی چاہے گا جائیں گے۔ جہاں جی چاہے گا سو رہیں گے جب جی چاہے گا کام کریں گے۔ جب جی چاہے گا نہیں کریں گے۔"

گلہری کے سائے نے کہا "میں بھی اِس کمبخت گلہری سے عاجز آ گیا ہوں۔ ایک منٹ جو آرام سے کہیں بیٹھتی ہو۔ ابھی اِس تنے پہ ہے تو اب اُس شاخ پر۔ ابھی یہاں ہے ابھی پھدک کر وہاں۔ ایسی تیزی سے بھگاتی ہے مجھے، ایسی تیزی سے کہ میرا تو دم پھولنے لگتا ہے۔ اِس نوکری میں ایک منٹ کے لیے آرام نہیں ہے۔ اور کچھ نہیں ہے تو بیٹھی بیٹھی اخروٹ ہی کترا کرے گی۔ یا دُم ہی چاٹا کرے گی۔ بس ہر وقت پارے کی طرح بے قرار رہتی ہے۔ میں تو باز آیا اِس چوبیس گھنٹے کی بھاگم بھاگ سے۔"

"تو ہمارے ساتھ چلو۔"

"چلو!"

"مس صاحب! " گلہری کے سائے نے گلہری سے کہا۔ "آج سے میری چھٹی ہے۔ میں تو چلا۔"

گلہری نے دُم نچا کر بڑے غصے سے کہا۔ "آئے ہئے۔ تو مر کمبخت۔ میں خود کہاں تجھے نوکر رکھتی ہوں۔ موا ندیدہ۔ بے شرم۔ نمک حرام!"

www.taemeernews.com

لیکن گلہری کے سائے نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ مزے سے ہنستا ہوا آدمی اور بھینس کے سائے کے ساتھ اچھلتا کودتا، جھاڑیاں پھلانگتا ہوا دور تک چلا گیا۔ تھوڑی دور جا کر اس کا دم پھول گیا۔ تو زمین پر لیٹ کر ہانپنے لگا۔ اور بھینس کے سائے سے بولا۔

"مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھالو۔ زندگی بھر اچھلتے پھاندتے تھک گیا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ۔ تمھارا وزن ہی کتنا ہے؟"

بھینس کے سائے نے گلہری کے سائے کو اپنی پیٹھ پر بٹھالیا۔

آگے چلے تو انھیں سیب کا ایک بہت بڑا درخت ملا۔ اس کے سائے میں دو تین مسافر سستا رہے تھے۔ دو ایک اپنی پوٹلیاں کھول کے کھانا کھا رہے تھے۔ دو ایک اس کے خوبصورت سپید پھولوں کی تعریف کر رہے تھے۔ کیونکہ یہ موسم بہار کے دن تھے۔ اور سیب کا درخت ڈال ڈال، شاخ شاخ پھولوں سے لدا پھندا نکھرا تھا۔

"کیسے پیارے پیارے پھول ہیں" ایک مسافر نے کہا۔

"اس درخت کے سیب بھی بہت میٹھے ہوتے ہیں" دوسرے مسافر نے سر ہلا کے اور زبان سے چٹخارہ بھرتے ہوئے کہا۔

سیب کے درخت کے سائے نے آدمی، بھینس، اور گلہری کے سائے کی رام کہانی سن کے کہا۔

دیکھ لیا تم نے۔ یہ لوگ سائے میں میرے بیٹھے ہیں اور تعریف کر رہے ہیں سیب کے پھولوں کی۔ اس کے میٹھے پھلوں کی۔ ارے اگر میں نہ ہوں تو کون اس درخت کے نیچے بیٹھے گا۔ میں نہ ہوں تو اس کی جڑیں سوکھ جائیں۔ اس کے پھل، پھول، پتیاں سب غائب ہو جائیں لیکن اس درخت کا ناشکرا پن دیکھو کبھی میری تعریف نہیں کرتا کبھی مجھے ایک پھل کھانے کو

www.taemeernews.com

نہیں دیتا۔ سارے پھل مسافروں میں بانٹ دیتا ہے۔"

"تو تم بھی اِسے چھوڑ دونا۔" گلہری کے سائے نے مشورہ دیا۔" جیسے میں نے اپنی چنچل گلہری کو چھوڑ دیا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ جب سے اس کے ساتھ لگا ہوں، جیسے بس زمین سے چپک گیا ہوں۔ قسم لے لو جو آج تک ایک قدم اُٹھ کے کہیں چلا ہوں۔ بیٹھے بیٹھے تو میری ٹانگیں شل ہو گئیں۔"

"آؤ ہمارے ساتھ دُنیا کی سیر کرو۔" آدمی کے سائے نے سیب کے سائے سے کہا۔

"میاں سیب!" سیب کے سائے نے اپنے درخت سے کہا۔" خدا حافظ۔ ہم تو جاتے ہیں۔"

جواب میں سیب کے درخت کے پھول قہقہہ مار کے ہنس پڑے۔ سیب کا سایہ خفا ہو کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے چلا گیا۔

آگے انھیں ایک ندی ملی۔ ندی کا کوئی سایہ نہ تھا، اِسلئے سوال پیدا ہوا کہ اِسے پار کیسے کیا جائے۔ سوچ سوچ کے بھینس کے سائے نے آدمی اور گلہری کے سائے کو تو اپنی پیٹھ پر سوار کیا۔ اور سیب کے درخت کے سائے کی ایک جھکی ہوئی ڈال پکڑ لی۔ اور ہوتے ہوتے اُس ندی کو پار کر لیا۔

ندی کے پار جا کر گلہری کے سائے نے کہا۔

"آج اگر میں گلہری کے ساتھ ہوتا تو ندی کے اُس پار ہی رہ گیا ہوتا۔"

"اور میں تو ڈوب گیا ہوتا۔" آدمی کے سائے نے جواب دیا۔ کیونکہ میرے آدمی کو

www.taemeernews.com

تیرنا ہی نہیں آتا۔

"اور میں تو ابھی تک ندی میں لوٹتا رہتا۔" بھینس کے سائے نے ایک اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "اور میرے سارے بدن پر مٹی کی تہہ کی کیچڑ جم گئی ہوتی۔ افوہ یہ لوگ کتنے غلیظ رہتے ہیں۔"

درخت کا سایہ بولا۔

"ندی میں چلنے سے بڑا لطف آیا۔ ابھی اگر میں سیب کے درخت کے ساتھ رہتا تو آج تک ندی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

چاروں ساتھی بہت ہی خوش خوش آگے چلے۔ چاروں طرف نہایت خوشگوار اور کھلی ہوئی دھوپ تھی۔ اس لئے ہر سایہ صاف اور روشن تھا۔ خوبصورت اور تنومند دکھائی دیتا تھا۔

ندی کے پار تھوڑی دور تک تو سبزہ ان کے ساتھ رہا۔ لیکن آگے جا کر ایک صحرا شروع ہو گیا لق و دق صحرا۔ چاروں طرف ریت ہی ریت۔ باد سموم کے تیز و تند جھونکے بدن کو جھلسانے والے۔ آفتاب کی تمازت بڑھتی گئی۔

یہاں تک کہ ہر سایہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔

آدمی کے سائے نے کہا۔

"اف! کتنی تیز دھوپ ہے۔ اس وقت اگر میں آدمی کے ساتھ ہوتا تو کسی بند کمرے میں بجلی کے پنکھے کے مزے لیتا۔"

www.taemeernews.com

"اور میں کسی ٹھنڈی ندی میں غوطے لگاتا۔"

بھینس کے سائے کو یاد آیا۔

"اور میری گلہری کسی گھنی جھاڑی کے اندر دُبکی ہوتی۔" گلہری کے سائے کے مُنھ سے بے اختیار نکلا۔

"اور سیب کے نازک نازک ہرے ہرے پتّے مجھے ہوا دیتے۔" سیب کے سائے نے اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا

"سارا بدن جھُلسا جارہا ہے۔"

آدمی کے سائے نے بھینس کے سائے سے کہا۔

یکایک گلہری کا سایہ چیخ کر سیب کے سائے سے بولا۔ "دیکھو دیکھو۔ تمھارا بدن کالا پڑ رہا ہے۔"

"اور تمھارا بھی!"

سیب کا سایہ حیرت سے گلہری کے سائے کی طرف دیکھ کر بولا۔

وہ چاروں ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔ سچ مچ اُن کے روشن اور شفاف جسم اب سُورج کی گرمی سے کُمھلا کر سیاہ ہوتے جارہے تھے۔

"جانے یہ ریگستان کب ختم ہوگا؟" گلہری کا سایہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔

"مجھ سے تو اب چلا بھی نہیں جاتا۔" بھینس کا سایہ اپنے جبڑے ہلاتے ہوئے بولا۔ "سخت بھوک لگی ہے۔"

"ریت چرلو۔" آدمی کا سایہ طنزاً بولا۔

سیب کے سائے نے کہا۔ بھوک تو سب کو لگی ہے۔ مگر کیا کیا جائے، اِس ریگستان

www.taemeernews.com

میں نہ کہیں سبزہ ہے نہ پانی ہے۔ نہ کوئی گھر نظر آتا ہے جہاں جا کے پناہ لیں۔ اب تو خیریت اسی میں ہے کہ جس طرح ہو سکے اِس ریگستان کو پار کر لیں۔ جلدی سے۔ شاید دُوسری طرف کچھ کھانے کو ملے۔"

چاروں دوست اب قدم ملا کے جلدی جلدی چلنے لگے۔ پانچ روز اسی طرح بھوکے پیاسے سِسک سِسک کر دم توڑتے ہوئے چلتے رہے۔ پانچویں دن انھیں یہ ریگستان ختم ہوتا ہوا نظر آیا۔ اب اُن کے سامنے ایک بہت ہی دلکش گھاٹی تھی۔ گھاٹی سے پرے سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے۔ پہاڑوں کے اُوپر بلند و بالا درخت کھڑے تھے۔ گھاٹی کے بیچ میں ایک خوبصورت گھر تھا۔ نیلے نیلے پتھروں کا بنا ہوا۔ خوبصورت منقش دروازہ۔ کانچ کی کھڑکیاں ٹین کی چھت۔ گھر کے قریب چٹانوں پر سے ایک جھرنا زور سے بہتا ہوا انھیں اپنے قریب بُلا رہا تھا۔

کتنا دلکش منظر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پریوں کے دیس میں آ گئے ہوں۔ خوشی کے مارے وہ چاروں سائے تیز تیز دوڑنے لگے جیسے اُن میں نئی جان آ گئی ہو۔ ریگستان کو پار کرتے کرتے اُنھوں نے دیکھا۔ پہاڑوں پر بادل چھا رہے ہیں۔ سفید سفید خوبصورت بادل۔ جو اب پہاڑ سے نیچے گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہوتے ہوتے یہ بادل آسمان پر چھا رہے تھے لیکن سورج ابھی تک چمک رہا تھا۔

چاروں دوستوں نے خوشی خوشی ریگستان کو پار کر لیا۔ اور اب دوڑتے ہوئے گھاٹی سے جھرنے اور جھرنے کے قریب کے مکان کی طرف بڑھنے لگے۔ یکایک بادلوں نے سارے آسمان کو گھیر لیا۔ سورج بھی بادلوں کی گہری اوٹ میں چھُپ گیا۔ پھر بادلوں میں گرج پیدا ہوئی۔ پھر چاروں طرف سے بُوندا باندی شروع ہو گئی۔

www.taemeernews.com

جب سورج غائب ہوگیا تو یکایک سائے بھی غائب ہوگئے۔

"تم کہاں ہو؟" آدمی کے سائے نے سیب کے سائے سے پوچھا۔ بارش ہو رہی ہے میں بھیگ رہا ہوں میں تمھارے پاس آنا چاہتا ہوں۔"

سیب کے سائے نے کہا۔ "میں تو یہاں ہوں۔ لیکن تم کہاں ہو؟ تم تو مجھے نظر بھی نہیں آتے۔"

گلہری کا سایہ گھبرا کے بولا۔ "میرے دوستو! تم سب کہاں چلے گئے؟ ہائے مجھے اس بارش میں اکیلا چھوڑ گئے۔"

گلہری کا سایہ رونے لگا۔

بھینس سنا ہے عقلمند نہیں ہوتی۔ لیکن اس وقت بھینس کے سائے نے بہت عقلمندی سے کام لیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کو دکھائی نہیں دیتے تو کیا ہوا۔ ایک دوسرے کی آواز تو سن سکتے ہیں۔ آواز سن کر ایک دوسرے کے قریب آجاؤ۔ اور سیب کے سائے تلے اکٹھے ہو کر بارش میں بھیگنے سے بچ جاؤ۔"

آدمی کے سائے نے کہا۔

"واہ وا! کیا عقلمندی کی بات کی ہے تم نے اس وقت۔ بھئی میں تو آج سے واقعی بھینس کو عقلمند سمجھوں گا۔ آج کے بعد اگر کوئی مجھ سے پوچھے۔ عقل بڑی کہ بھینس؟ تو میں تو یہی کہوں گا کہ بھینس۔"

سیب کے سائے نے آوازیں دے دے کر سب دوستوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اب وہ سب سیب کے سائے تلے جمع تھے۔

www.taemeernews.com

یکایک ہرن کے سائے نے کہا۔

"میں تو اسی طرح بھیگ رہا ہوں۔"

"اور میں بھی" بھینس کا سایہ چلایا۔

"اور میں بھی" گلہری کے سائے نے بڑی نا امیدی سے کہا۔

"میں خود بھیگ رہا ہوں" سیب کا سایہ افسردگی سے بولا "اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ دراصل اب سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیب کے درخت کے پتے تھے تا وہ بارش کو اپنے ہاتھوں پر روک لیتے تھے میرے تو پتے ہی نہیں۔ میں تو فقط ایک سایہ ہوں۔"

آدمی کے سائے نے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے کہا

"وہ سامنے ایک گھر ہے میں وہاں جاتا ہوں اور دروازے پر دستک دیتا ہوں وہ لوگ اس طوفان میں ہم پردیسیوں کو ضرور پناہ دیں گے۔"

گلہری کا سایہ بولا

"خدا کے لئے جلدی سے جاؤ۔ میں تو بہت ہی چھوٹا سا سایہ ہوں۔ اس طوفان میں بہہ جاؤں گا۔"

جواب میں بادل زور سے گرجے۔ اور سرد برفیلی ہواؤں کے فراٹے اور تیز ہوتے گئے آدمی کا سایہ جلدی سے بھاگ کے گھاٹی کے اوپر چڑھ گیا۔ اور دروازے پر جا کر دستک دینے لگا۔ لیکن بہت دیر تک دستک دینے کے بعد بھی جب کسی نے دروازہ نہ کھولا تو آدمی کے سائے نے حیران ہو کر دروازے سے مڑ کر کھڑکی میں سے اندر جھانکا۔ اندر کمرے میں روشنی تھی۔ آتشدان میں آگ جل رہی تھی۔ آدمی کے سائے نے دیکھا، ایک آدمی

www.taemeernews.com

اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھا ہے۔ سب لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ بھنا ہوا مرغ، لال لال ٹماٹر، گیہوں کی سوندھی سوندھی سنہری سنہری روٹیاں اور ایک پیالے میں مکھن۔

یہ منظر دیکھ کر آدمی کا سایہ بالکل بے حال ہو گیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر کھڑکی ہی پر زور زور سے دستک دینے لگا لیکن گھر کے لوگ اطمینان سے کھانا کھاتے رہے اور ہنس ہنس کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ اُن کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انھوں نے دروازے یا کھڑکی کی دستک کو سنا ہی نہیں۔

آدمی کا سایہ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔

بھینس کے سائے نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

آدمی کے سائے نے بہت حسرت سے کہا۔ "وہ لوگ، کھانا کھا رہے ہیں لیکن میری دستک نہیں سنتے۔"

"تم نے دروازہ زور زور سے پیٹا ہوتا!" گلہری کے سائے نے بہت بیتابی سے کہا۔

"اتنے زور سے پیٹا ہے کہ میری ہتھیلیاں بھی دُکھنے لگی ہیں۔" آدمی کے سائے نے جواب دیا۔ لیکن اُن کے کانوں تک کوئی آواز نہیں جاتی۔ کیونکہ میں فقط ایک سایہ ہوں۔ میری دستک سے آواز نہیں پیدا ہو سکتی۔"

"اب کیا کیا جائے؟" سیب کا سایہ گھبرا کے بولا۔

چند لمحوں تک مکمل خاموشی رہی۔ اِس کے بعد گلہری کا سایہ یکایک خوشی سے

www.taemeernews.com

چلّا کے بولا۔ میں سامنے کے اخروٹ کے درخت پر چڑھتا ہوں۔ اور اخروٹ توڑ کے لاتا ہوں۔ مزے سے اخروٹ کھائیں گے۔ اتنے میں بارش بھی بند ہو جائے گی پھر مزے سے آگے چل دیں گے۔"

تینوں سائے گلہری کے سائے کی یہ تجویز سن کے بہت خوش ہوئے۔ گلہری کا سایہ خوشی خوشی اخروٹ کے درخت کی طرف لپکا۔ اور اس کی شاخوں پر چڑھ کر اخروٹ توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور بار بار ہاتھ مارنے اور اخروٹوں کو دانتوں سے کترنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد واپس اتر آیا۔ اور اپنے دوستوں کے قریب آ کے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے بیٹھ گیا۔ اس نے شرم سے اپنا منہ اپنی دُم میں چھپا لیا۔!

"کیا ہوا؟" آدمی کا سایہ بہت بے صبری سے پوچھنے لگا۔

"مجھ سے اخروٹ کترے نہیں جاتے۔" گلہری کا سایہ بہت ہی مایوسی سے بولا۔ "کیونکہ میرے منہ میں دانت نہیں ہیں۔ صرف دانتوں کا سایہ ہے۔"

پانچ دن اور پانچ رات تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی اور طوفان ان کے چاروں طرف گرجتا رہا۔ چھٹے دن خدا خدا کر کے مطلع صاف ہوا۔ سورج آسمان پر نمودار ہوا اور چاروں طرف ہلکی ہلکی خوشگوار دھوپ پھیل گئی۔ اب دھندلے دھندلے سائے ایک دوسرے کی نظروں میں ابھرنے لگے۔ لیکن اب یہ سائے روشن نہ رہے تھے۔ ریگستان کی دھوپ اور طوفان کی چوٹ کھا کر ان کا بدن بالکل سیاہ پڑ گیا تھا۔ چاروں دوستوں نے بہت ہی مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کی نگاہوں

www.taemeernews.com

میں ایک ہی سوال تھا۔

" اب کیا کیا جائے ؟ "

آدمی کے سائے نے یکایک فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میرے خیال میں ہمیں واپس چلنا چاہیئے۔"

جب آدمی کا سایہ اپنے آدمی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے شہر میں پہنچا تو اُس نے آدمی کو حوالات کی سلاخوں کے پیچھے بند پایا۔ آدمی اپنے سائے کو دیکھتے ہی خوشی سے چیخ اُٹھا۔

"اچھا ہوا تم آگئے۔ اب میں ضرور آزاد ہو جاؤں گا۔"

"کیا ہوا ؟"

آدمی کے سائے نے تھکی ماندی نحیف آواز میں اُس سے پوچھا۔

" ارے کچھ نہ پوچھو" آدمی نے ذرا جھنجھلا کے کہا۔ "تمھارے جانے کے بعد ہر شخص مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ ہر شخص پوچھتا۔

" تمھارا سایہ کہاں ہے ؟ "

پھر دھیرے دھیرے لوگوں نے مجھ سے سارے سماجی تعلقات منقطع کر لئے نہ کوئی مجھے اپنے گھر بُلاتا تھا۔ نہ میں کسی کے گھر جانے کی جرأت کر سکتا تھا۔ بچے مجھ سے ڈر کر ماؤں کی گود میں چھپ جاتے تھے میں جدھر سے گزرتا لوگ گھبرا کر وہ رستہ چھوڑ دیتے اور دوسری طرف چلے جاتے۔

آخر ایک دن کوتوال شہر نے مجھے پکڑ کے اس حوالات میں بند کر دیا۔ مجھ سے

www.taemeernews.com

کہنے لگا۔

" تم جادوگر ہو۔ شیطان ہو کہ کون ہو؟ بتاؤ تمھارا سایہ کہاں ہے؟"

میں کیا جواب دیتا، میرا سایہ بھاگ گیا۔ کون میری بات کا یقین کرتا۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔"

سائے نے کہا۔

" ہاں میں آگیا۔ اور اب میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا۔"

آدمی نے اپنے سائے سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "میں نے بھی اس وقت غصّے میں تم سے جانے کو کہہ دیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھے بھی تمھاری ضرورت ہے دراصل آدمی کو سائے کی اور سائے کو آدمی کی ضرورت ہے۔ اور دونوں مل کر ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے ہی ضروری ہیں جیسے زمین کے لئے آسمان اور دن کے لیے رات! کیونکہ رات ہے، وہ ایک طرح سے دن کا سایہ ہے!"

(اعلیٰ پریس دہلی میں چھپی)